كتاب الصلوٰة

باب الأذان

اذان میں دو طرح کا اختلاف ہے

1: اذان کے کلمات کی تعداد

2: اذان میں ترجیع کے بارے میں

ا: اذان کے کلمات

امام مالک

امام مالک کے نزدیک اذان کے کلمات 17 ہیں اذان کے شروع میں تکبیر ایک سانس میں دو مرتبہ اور شہادتیں مع الترجیع اور بقیہ اذان ویسے ہی۔

دلیل

وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرَةَ قَالَ: ثنا أَبُو عَاصِمٍ قَالَ: ثنا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُثْمَانُ بْنُ السَّائِبِ قَالَ أَبُو عَاصِمٍ فِي حَدِيثِهِ, قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي وَأُمُّ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي مَحْذُورَةَ, يَعْنِي عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ قَالَ رَوْحٌ فِي حَدِيثِهِ عَنْ أُمِّ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي مَحْذُورَةَ, عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ قَالَ: «عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَذَانَ كَمَا تُؤَذِّنُونَ الْآنَ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ»

امام شافعی

امام شافعی کے نزدیک اذان کے کلمات 19 ہیں اذان کے شروع میں 4 مرتبہ تکبیر اور شہادتین مع الترجیع اور بقیہ اذان ویسے ہی۔

دلیل

قَالَ: ثنا عَامِرٌ الْأَحْوَلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَكْحُولٌ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُحَيْرِيزٍ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْأَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ذَكَرَ بَقِيَّةَ الْأَذَانِ, عَلَى مَا فِي الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ

احناف

احناف (امام اعظم، امام محمد، امام ابویوسف) کے نزدیک اذان کے کلمات 15 ہیں۔

اذان کے شروع میں 4 مرتبہ تکبیر اور شہادتین میں ترجیع نہیں ہے اور بقیہ اذان ویسے ہی۔

دلیل

حَدَّثَنَا ابْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ, عَنِ الْأَعْمَشِ, عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ, عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ رَأَى رَجُلًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ, أَوْ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ, فَقَامَ عَلَى جِذْمِ حَائِطٍ فَنَادَى اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ. فَذَكَرَ الْأَذَانَ عَلَى مَا فِي حَدِيثِ أَبِي مَحْذُورَةَ, غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرِ التَّرْجِيعَ, فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ: «نِعْمَ مَا رَأَيْتَ عَلِّمْهُ بِلَالاً

مگر انھوں نے ترجیع کو ذکر نہ کیا پس عبد اللہ بن زید نبی کریم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا تو نے اچھا خواب دیکھا اسے بلال کو سکھادو۔

نوٹ

احناف تکبیرات میں امام شافعی کے ساتھ ہیں لیکن ترجیع میں امام مالک و شافعی دونوں کے مخالف۔

نظر طحاوی

اذان کے بعض کلمات 2 جگہ ذکر کئے جاتے ہیں اور بعض ایک ہی جگہ ذکر کیے جاتے ہیں جیسے الصلاۃ اور الفلاح اور جو دو جگہ ذکر کیے جاتے ہیں جیسے اشھد اللہ الہ الا اللہ تو یہ دوسرے مقام پر پہلے کا نصف ذکر کیا جاتا ہے یعنی پہلی جگہ دوبار اور دوسری مرتبہ ایک بار اسی طرح تکبیر بھی مکرر ہے ایک ابتدائے اذان میں اور دوسری حی علی الفلاح کے بعد اور اس بات پر اجماع ہے کہ الفلاح کے بعد تکبیر دو مرتبہ آتی ہے تو اس کے اس کے مطابق ابتدائے اذان میں تکبیر کو 4 مرتبہ آنا چاہیے چونکہ دوسری مرتبہ پہلی کا نصف آتا ہے۔

ترجیع میں اختلاف

ترجیع کی تعریف

ترجیع کہتے ہیں کہ پہلے شہادتین کو دوبار آہستہ کہا جائے پھر دو دو مرتبہ بلند آواز سے۔

شوافع اور مالکیہ

شوافع اور مالکیہ کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے۔

دلیل

ما قبل جو ابو محذورہ والی حدیث ذکر کی گئی۔

احناف

احناف کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

دلیل

۱: عبد اللہ بن زید والی حدیث اس میں ترجیع ذکر نہیں کی گئی جو ما قبل ذکر کی گئی۔

۲: عبد اللہ بن زید نے خواب میں اذان دیکھی پس وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اس کی خبر دی تو فرمایا بلال کو سکھا دو پس بلال کھڑے ہوئے اور جوڑا جوڑا اذان کہی۔

نظر طحاوی

ہم دیکھتے ہیں کہ شہادتین کے علاوہ اذان کے کلمات میں ترجیع نہیں ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے اور شہادتین میں ترجیع میں اختلاف ہے لہذا اس اختلافی مسئلہ کو اجماعی پر قیاس کریں گے اس لیے کہ اجماعی اختلاف پر غالب ہے قیاسا بھی ترجیع کی نفی ثابت ہوئی۔

یہی امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔

باب الاقامة

اقامت کے کلمات میں بھی اختلاف ہے۔

مالکیہ

امام مالک کے نزدیک اقامت کے کلمات دس ہیں یعنی اقامت کے کلمات مفرد مفرد کہیں جائیں۔

دلیل

عن انس امر بلال ان یشفع الأذان ویوتر الاقامة

شوافع وحنابلہ

ان کے نزدیک بھی اقامت ایک ایک مرتبہ کہی جائے گی مگر قد قامت الصلاۃ دو بار کہا جائے گا اس طرح ان کے نزدیک اقامت کے کلمات گیارہ ہوئے۔

دلیل

عن انس امر بلال ان یشفع الأذان ویوتر الاقامة الا الاقامة

شوافع کا قیاس

اذان میں بعض کلمات دو جگہ ذکر کیے جاتے ہیں تو وہ ابتدا میں دو دو بار اور بعد میں ایک مرتبہ ذکر کئے جاتے ہیں اور چونکہ اقامت ابتداء نہیں ہے بلکہ اذان کے بعد ہے تو قیاس کے مطابق اقامت کے وہ کلمات جو اذان میں بھی ہیں وہ ایک مرتبہ ذکر کئے جائیں اور جو اقامت کے کلمات اذان سے نہیں ہے انہیں جوڑا جوڑا یعنی دو بار ذکر کیا جائے اور وہ قد قامت الصلاۃ ہے اسے مکرر کہا جائے گا۔

احناف

احناف کے نزدیک اقامت کے کلمات 17 ہیں اقامت بھی اذان کی طرح دو دو مرتبہ کہی جائے۔

دلیل

ا۔عبد اللہ بن زید والی حدیث جو باب الاذان میں گزری اس میں اذان کے بعد یہ اضافہ ہے (پھر وہ بیٹھا پھر کھڑا ہوا تو اس اذان کے مثل اقامت کہی)۔

۲۔ایک روایت میں ہے کہ جب عبد اللہ بن زید نے آپ علیہ السلام کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا کہ بلال کو سکھا دو تو حضرت بلال نے جوڑا جوڑا اذان اور جوڑا جوڑا اقامت کہی اور ان کے درمیان بیٹھے۔

۳۔ابو محذورہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے اقامت کے سترہ کلمات سکھائے ایک روایت میں ہے کہ جوڑا جوڑا سکھائی الخ۔

نظر طحاوی

اقامت اذان ختم ہونے کے بعد کہی جاتی ہے اس کے لیے علیحدہ حکم ہو گا ہم نے دیکھا کہ اقامت کا اختتام لا الہ الا اللہ پر ہوتا ہے اور اذان کا اختتام بھی لا الہ الا اللہ پر ہوتا ہے جب اقامت میں یہ کلمہ نصف نہیں لائے بلکہ ان کی مثل برابر لائے ہیں تو بقیہ اقامت بھی اذان کی مثل لائی جائے گی۔

اعتراض

یہ قیاس درست نہیں کیونکہ لا الہ الا اللہ کا نصف ہو ہی نہیں سکتا پس ان کا مقصود نصف ہی ہے لیکن اس کا نصف ہو ہی نہیں سکتا تو اس کا حکم ویسا ہی ہو گا جیسا نہ قابل تقسیم اشیاء کا ہوتا ہے کہ جب ان کا بعض واجب ہوتا ہے تو ان کا کل واجب ہو جاتا ہے۔

جواب

ہم نے کہا کہ الفلاح کے بعد اللہ اکبر اللہ اکبر کہا جاتا ہے اس کو اس جگہ ان کی مثل برابر کہا جاتا ہے حالانکہ اس کا نصف ہو سکتا ہے تو جب اس کو اذان کی مثال اقامت میں برابر لائے ہیں تو بقیہ اقامت بھی اذان کی مثل کہی جائے گی یعنی دوبار۔

تو صحابہ کی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ وہ اقامت دوبار کہتے تھے جیسے حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت ثوبان، حضرت ابو محذورہ۔

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اقامت ایک بار کہنا بدعت ہے۔

باب: الصلاۃ خیر من النوم

صاحب بحر فرماتے ہیں تثویب کی دو قسمیں ہیں۔

۱: قدیم ۲: حادث

۱: قدیم

اذان فجر میں الصلاۃ خیر من النوم کہنا۔

۲: حادث

اہل کوفہ نے اذان و اقامت کے درمیان اسے شروع کیا اس کے لیے نہ تو کوئی لفظ خاص ہے اور نہ ہی یہ کسی نماز کے ساتھ خاص ہے یہ متاخرین کے نزدیک مختار ہے اور متقدمین کے نزدیک اذان فجر کے علاوہ مکروہ ہے۔

امام شافعی کا ایک قول

الصلاۃ خیر من النوم کہنا مکروہ ہے۔

دلیل: عبد اللہ بن زید والی حدیث اس میں ان کلمات کا ذکر نہیں۔

آئمہ اربعہ

تمام ائمہ کے نزدیک صبح کے اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا مستحب ہے۔

دلیل

اگرچہ عبد اللہ بن زید والی حدیث میں ان کلمات کا ذکر نہیں ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد ابو محذورہ کو اذان سکھائی اور ان کلمات کو صبح کی اذان میں بڑھانے کا حکم دیا۔

حضرت انس اور حضرت ابن عمر کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ صبح کی نماز میں تثویب ہے جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو دو مرتبہ الصلاۃ خیر من النوم کہے۔

باب: التأذين للفجر, أي وقت هو؟ بعد طلوع الفجر, أو قبل ذلک؟

شوافع، مالکیہ، حنابلہ، امام ابو یوسف

ان کے نزدیک فجر کی اذان وقت شروع ہونے سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے۔

دلیل

حدیث نمبر 891: ابن عمر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں پس کھاؤ اور پیو حتی کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ ابن ام مکتوم نابینا شخص سے وہ اذان نہ دیتے تھے حتی کہ ان کو کہا جاتا کہ صبح ہو گی۔

بلال رضی اللہ تعالی عنہ کا رات کو اذان دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فجر کا وقت داخل ہونے سے پہلے فجر کی اذان دینا جائز ہے۔

امام اعظم اور امام محمد

فجر کی اذان قبل دخول وقت دینا جائز نہیں بلکہ وقت شروع ہونے کے بعد اذان دی جائے گی جیسا کہ بقیہ نماز میں ہوتا ہے۔

دلیل

یہ کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کی اذان وہ نماز فجر کے لیے نہ ہوتی تھی۔

۱۔ سمرہ بن جندب سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو بلال کی اذان دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ ہی یہ سفیدی حتی کہ فجر خوب ظاہر ہو جائے حدیث نمبر 904۔

۲۔ عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلال کی اذان تم میں سے کسی ایک کو اس کی سحری سے ہر گز نہ روکے بے شک وہ اذان دیتے ہیں تا کہ سونے والا بیدار ہو جائے اور غائب لوٹ آئے اور فرمایا کہ فجر ایسے ایسے نہیں اور آپ علیہ السلام نے اپنی دو انگلیوں کو ملایا اور ان کو جدا کیا حدیث نمبر 910۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ بلال کی اذان نماز کے لیے نہ تھی۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ بلال رضی اللہ تعالی عنہ طلوعِ فجر سے پہلے اذان دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حکم دیا کہ وہ لوٹائیں پس انہوں نے ندا دی (**الا ان العبد قد نام**) پس لوٹے پس اذان دی (**الا ان العبد قد نام**)۔

پس ان سے ثابت ہوتا ہے کہ طلوعِ فجر سے پہلے اذان غیر نماز کے لیے ہوتی ہے اور جب بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے قبل از وقت فجر نماز کے لیے اذان دی تو آپ نے اس کا انکار فرمادیا۔

(**الا ان العبد قد نام**) دلالت کرتا ہے صحابہ فجر سے پہلے والی کو اذان نہ سمجھتے تھے اگر وہ اسے اذان سمجھتے تو اس نے ندا (**الا ان العبد قد نام**) کی طرف حاجت نہ ہوتی۔

ہمارے نزدیک قبل طلوع فجر ہونے والی اذان کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ لوگوں کو خبر دیتے تھے کہ ابھی رات باقی ہے تاکہ جس کی نماز باقی ہے وہ پڑھ لے اور روزہ دار نہ رکے۔

احتمال فی روایت بلال

اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت اذان دیتے جسے وہ خیال کرتے ہیں کہ فجر طلوع کر آئی حالانکہ وہ ابھی ثابت نہ ہوتی اور یہ اس وجہ سے ہوتا کہ ان کی نظر کمزور ہوگئی تھی۔

ا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں بلال کی اذان دھوکے میں نہ ڈالے کہ ان کی نظر میں کچھ ہے۔

اگر تو بلال رضی اللہ تعالی عنہ قبل طلوع فجر جو اذان دیتے تھے وہ فجر کے لئے دیتے تو اس میں خطا کر جاتے ہے ضعف بصر کی وجہ سے جیسا کہ حدیث نمبر 915 میں ہے۔

اور اگر وہ عمداً قبل طلوع فجر اذان دیتے تھے تو وہ نماز کے لیے نہ ہوتی بلکہ وہ سونے والے کو جگانے کے لئے اور غائب کو واپس لوٹانے کے لیے ہوتی۔

اور حضرت ابن ام مکتوم کا بعد میں اذان دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فجر کی اذان کا وقت یہی ہے اگر یہ وقت نہ ہوتا تو اس میں اذان مباح نہ ہوتی اذان کا مباح ہونا ثابت کرتا ہے کہ یہی اذان کا وقت ہے۔

(اگر یہ مان لیں کہ حضرت بلال فجر کی اذان دیتے تھے تو پھر حضرت ابن ام مکتوم کا بعد میں اذان دینا کس مقصد سے ہوتا حالانکہ کی فجر کے لئے تو اذان ہوچکی)۔

نظر طحاوی

ہم دیکھتے ہیں کہ فجر کے علاوہ باقی نمازوں کے لئے اذان وقت شروع ہونے کے بعد ہی دی جاتی ہے اور فجر میں اختلاف ہے قیاس کے مطابق فجر کی اذان بھی باقی نمازوں کی اذان کی طرح ہے تو جیسے ان نمازوں کے وقت شروع ہونے کے بعد اذان دی جاتی ہے ایسے ہی فجر کے لئے بھی وقت شروع ہونے کے بعد اذان دی جائے گی۔

سفیان ثوری کا بھی یہی موقف ہے۔ حضرت علقمہ نے ایک شخص کو رات میں اذان دیتے سنا تو فرمایا کہ اس نے سنت صحابہ کی مخالفت کی۔

باب: الرجلین یؤذن احدھما ویقیم الآخر

شوافع، مالکیہ، حنابلہ

جس شخص نے اذان کہی وہی اقامت کہے گا دوسرا نہیں کہہ سکتا۔

دلیل

زیاد بن حارث فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا جب صبح کی اذان کا وقت ہوا تو آپ علیہ السلام نے مجھے حکم دیا پس میں نے اذان کہی پھر آپ نماز کے کھڑے ہوئے پس حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ آئے تاکہ اقامت کہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک صدائی بھائی نے اذان کہی ہے اور جو اذان کہے وہی اقامت کہے۔

احناف، سفیان ثوری، حسن بصری

جس نے اذان کہی اس کے علاوہ شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

دلیل

عبد اللہ بن زید سے مروی ہے کہ جب انہیں اذان دکھائی گی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا پس حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے اذان کہی پھر آپ نے عبد اللہ بن زید کو حکم دیا انہوں نے اقامت کہی۔

نظر طحاوی

غور کرنے سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ دو آدمی کیلئے ایک اذان دینا جائز نہیں کہ بعض کلمات اذان کو ایک آدمی ادا کرے اور دوسرے بعض کلمات کو دوسرا آدمی، اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اب اختلاف ہو گیا اذان اور اقامت کے بارے میں کہ آیا یہ دونوں ایک شےء کہ حکم میں ہیں کہ ان دونوں کا فاعل ایک ہی آدمی ہو ناضروری ہو یا اذان اور اقامت دونوں الگ الگ مستقل شیء ہیں یہاں تک کہ ایک آدمی اذان کا فاعل اور دوسرا اقامت کا فاعل بننے میں کوئی حرج نہ ہو۔ تو ہم نے غور کر کے دیکھا کہ نماز کے لیے جو اسباب ہوا کرتے ہیں جو نماز پر مقدم ہوتے ہیں ان اسباب میں سے اذان اور اقامت بھی ہیں جو تمام نمازوں میں ہوتے ہیں اور نماز جمعہ کے اسباب میں سے ایک سبب خطبہ ہے جو نماز جمعہ کے لیے لازم اور ضروری ہے جس کا اتصال نماز جمعہ کے ساتھ اتنا قوی ہے کہ اگر اس خطبہ کو چھوڑ دیا جاے تو تمام نماز ہی باطل ہو جائے گی اس لیے مناسب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز اور اس کے خطبہ کا فاعل ایک ہی آدمی ہو یعنی جو شخص جمعہ کا خطیب ہو وہی امام بنے، ادھر ہم اقامت کو دیکھتے ہیں کہ وہ نماز کا ایک سبب ہے

اور اس کا قرب و اتصال اذان کے ساتھ جتنا ہے نماز کے ساتھ اس سے زیادہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ لہذا مناسب یہی تھا کہ اقامت اور نماز دونوں کا فاعل ایک ہی آدمی ہو یعنی خود امام ہی اقامت کہے حلانکہ سب کا اتفاق ہے کہ اقامت کا فاعل امام کے علاوہ دوسرے آدمی کے بننے میں کوئی حرج نہیں۔ تو نماز کے ساتھ قرب و اتصال زیادہ ہونے کے باوجود جب اقامت کا فاعل غیر امام یعنی نماز کے فاعل کے علاوہ دوسرا شخص کے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے تو بطریق اولیٰ اس اقامت کا فاعل غیر مؤذن ہونے میں کوئی حرج و قباحت نہ ہو گی کیونکہ اقامت کا قرب و اتصال اذان کے ساتھ نماز کی بنسبت کم ہے لہذا اذان و اقامت کے فاعل دو الگ الگ آدمیوں کا ہونا بلا کراہت جائز ہو گا۔ البتہ مؤذن کی ناراضگی کی صورت میں اس میں کراہت آجائے گی جو الگ بات ہے۔

باب: مایستحب للرجل ان یقوله اذا سمع المؤذن

اس باب میں میں دو طرح اختلاف ہے۔

ا:اذان کا جواب کیسے دیا جائے

۲:اذان کا جواب دینے کا حکم

اذان کا جواب کیسے دیا جائے

شافعیہ، امام مالک اور احمد کی ایک روایت

جو اذان سنے اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ جیسے جیسے مؤذن کہے وہی سننے والا کہے۔

دلائل

ا:ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب تم مؤذن کو سنو تو جو وہ کہے اسی کی مثل کہو(۹۲۴ نمبر حدیث)۔

۲:ام حبیبہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن کو سنتے تو جو وہ کہتا اسی کی مثل کہتے حتی کہ وہ خاموش ہو جاتا۔

احناف، امام احمد کی اصح روایت اور امام مالک کی ایک روایت

احناف کے نزدیک سامنے بھی انہی کلمات سے جواب دے لیکن الصلاۃ الفلاح کے جواب میں یہ نہیں بلکہ **لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** کہے۔

کیونکہ مؤذن یہ کلمات لوگوں کو نماز کی طرف بلانے کے لئے اور فلاح کی طرف بلانے کے لئے کہتا ہے اور سامع لوگوں کو بلانے کے لیے نہیں کہتا بلکہ وہ تو بطور ذکر کے اذان کا جواب دیتا ہے اور یہ کلمہ ذکر نہیں ہے تو مناسب ہے کہ سامع ان کی جگہ وہ کلمات کہے جو آپ علیہ السلام سے دوسرے آثار میں روایت کیا گیا(**لا حول و لا قوۃ الا باللہ**)۔

دلائل

ا:ابو رافع سے روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤذن کو سنتے تو جو وہ کہتا ہے اسی کی مثل کہتے اور جب وہ حی

علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کہتا تو آپ (**لا حول و لا قوۃ الا باللہ**) کہتے۔

۲: عبد اللہ بن علقمہ سے روایت ہے فرمایا میں حضرت معاویہ کے پاس بیٹھا تھا تو انہوں نے ایسے ہی جواب دیا پھر فرمایا کہ میں نے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

دیگر ائمہ کو جواب

ممکن ہے کہ آپ علیہ السلام کے اس قول (**فقولو مثل مایقول حتیٰ سکیت**) کا معنی یہ ہو کہ جس سے اذان کی ابتدا ہوتی ہے یعنی تکبیر اور شہادت کی مثل کہو پس تکبیر اور شہادت مقصود ہو (**فقولو امثل مایقول**) سے اس کی طرف ابو ہریرہ کی حدیث سے بھی اشارہ ملتا ہے۔

ا: عن ابی ھریرہ عن نبی صلی اللہ علیہ وسلم: اذا تشھد المؤذن فقولو امثل مایقول

اذان کا جواب دینے کا حکم

احناف

اذان کا جواب دینا واجب ہے۔

دلیل

آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: **اذا سمعتم المؤذن فقولو امثل مایقول۔**

اس میں "فقولوا" صیغہ امر ہے جو کہ وجوب کا تقاضہ کرتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ جمہور فقہاء

اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔

دلیل

عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے پس آپ نے ایک موذن کو سنا اس نے کہا **اللہ اکبر اللہ اکبر** تو آپ نے فرمایا: **علی فطرۃ** اس نے کہا **اشھد اللہ الہ الا اللہ** تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **خرج من نار**۔ (اس سے ثابت ہوا کہ اذان کا جواب دینا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اذان کے علاوہ دوسرے کے کلمات کہے۔)

باب: مواقیت الصلاۃ

وقت فجر

فجر کا اول وقت جب فجر طلوع اور آخری وقت جب سورج طلوع ہو یہ بالاجماع ہے۔

دلیل

وَحَدَّثَنَا رَبِيعٌ الْمُؤَذِّنُ, قَالَ: ثنا أَسَدٌ قَالَ: ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ, عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَيَّاشِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَكِيمٍ, عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ, عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَمَّنِي جَبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَّتَيْنِ عِنْدَ بَابِ الْبَيْتِ فَصَلَّى بِي الظُّهْرَ حِينَ مَالَتِ الشَّمْسُ, وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ, وَصَلَّى بِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ, وَصَلَّى بِي الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ, وَصَلَّى بِي الْفَجْرَ حِينَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ, وَصَلَّى بِي الظُّهْرَ مِنَ الْغَدِ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ, وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ, حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ, وَصَلَّى بِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ, وَصَلَّى بِي الْعِشَاءَ حِينَ مَضَى ثُلُثُ اللَّيْلِ

وقت ظہر

اول وقت

نصف النہار سے جیسے سورج ڈھلا ظہر کا وقت شروع ہو جائے گا یہ بالاتفاق ہے۔

آخری وقت

امام اعظم کے نزدیک جب ہر شے کا سایہ دو مثل ہو جائے سایہ اصلی کے علاوہ۔

دلیل

آپ علیہ سلام ایک دفعہ سفر پر تھے ایک جگہ کہیں قیام فرمایا تو موذن نے حاضر بارگاہ ہو کر اذان دینے کی اجازت چاہی ہیں تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ابھی نہیں پھر دوسری مرتبہ اذان دینے کی اجازت چاہی تو آپ نے منع فرمادیا پھر تیسری دفعہ اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا (**ان شدۃ الحر من روح جھنم ابردوا بالظھر**)۔

ابر دوابالظھر یہ مثلین سایہ پر ہی حاصل ہوتا ہے تیسری مرتبہ اجازت طلب کرنے پر ٹیلوں کا سایہ بڑھنا شروع ہو گیا تھا۔

آئمہ ثلاثہ امام، ابو یوسف، امام محمد

جب ہر شے کا سایہ ایک مثل ہو جائے علاوہ سایہ اصلی کے ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

دلائل

١۔وَحَدَّثَنَا رَبِيعٌ الْمُؤَذِّنُ, قَالَ: ثنا أَسَدٌ قَالَ: ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ, عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَيَّاشِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَكِيمٍ, عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ, عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَمَّنِي جَبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَّتَيْنِ عِنْدَ بَابِ الْبَيْتِ فَصَلَّى بِي الظُّهْرَ حِينَ مَالَتِ الشَّمْسُ, وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ, وَصَلَّى بِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ, وَصَلَّى بِي الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ, وَصَلَّى بِي الْفَجْرَ حِينَ حُرِّمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ, وَصَلَّى بِي الظُّهْرَ مِنَ الْغَدِ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ, وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ, حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ, وَصَلَّى بِي الْمَغْرِبَ حِينَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ, وَصَلَّى بِي الْعِشَاءَ حِينَ مَضَى ثُلُثُ اللَّيْلِ

ابن عباس سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرئیل علیہ السلام نے بیت اللہ کے دروازے پر پر دو مرتبہ میری امامت فرمائی پس مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جب سورج ڈھلا اور عصر کی نماز پڑھائی جب ہر شے کا سایہ ایک مثل ہو گیا اور مغرب کی نماز پڑھائی جب روزہ دار افطار کرے اور مجھے عشاء کی نماز پڑھائی جب شفق غائب ہوا اور فجر کی نماز پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جائے اور اگلے دن ظہر کی نماز پڑھائی جب ہر شے کا سایہ ایک مثل ہو گیا اور عصر کی نماز پڑھائی جب ہر شے کا سایہ دو مثل ہو جائے اور مغرب کی نماز پڑھائی جب روزہ دار افطار کرے اور عشاء کی نماز پڑھائی جب تہائی رات گزر جائے اور فجر کی نماز پڑھائی جب خوب روشنی ہو گی پھر جبرئیل میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقت نماز کا ان دو وقتوں کے درمیان ہے یہ آپ سے پہلے انبیاء کا وقت ہے۔

٢: عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے صحابہ میں سے کسی شخص نے خبر دی کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کا وقت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ: میرے ساتھ نماز میں حاضر رہ پس آپ نے صبح کی نماز پڑھائی تو جلدی پڑھائی پھر ظہر پڑھائی تو جلدی عصر پڑھائی تو جلدی مغرب پڑھائی تو جلدی عشاء پڑھائی تو جلدی پڑھائی پھر اگلے دن تمام نماز مؤخر کر کے پڑھائی پھر اس شخص کو فرمایا کہ: ان دو وقتوں میں میری دو نمازوں کے درمیان سارا نماز کا وقت ہے۔

ابو سعید خدری، ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی مضمون کی مختلف الفاظ کے ساتھ احادیث مروی ہیں۔

دیگر آئمہ کو جواب

دیگر ائمہ نے امامت جبریل سے جو مثل اول پر دلیل پکڑی ہے وہ حدیث اس مقام پر ناقابل عمل ہے کیونکہ ظہر کی نماز دوسرے دن میں جس وقت میں پڑھی تھی اسی وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھائی ایک ہی وقت میں دو نمازوں کا جمع کیسے ہو سکتا ہے۔

کلام طحاوی

ابن عباس، ابو سعید، جابر بن عبد اللہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام سے روایت کیا(**انه صلاها فی یوم الثانی حین کان ظل کل شیء مثله**)۔اس میں دو احتمال ہیں:

ا۔ایک احتمال یہ ہے کہ آپ نے ہر شے کا سایہ مثل ہو جانے کے بعد پڑھائی بس اس سے ثابت ہوا کہ اس کے بعد بھی ظہر کا وقت ہو گا۔

۲۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ہر شے کا سایہ مثل ہو جانے کے قریب نماز پڑھائی۔

سوال: کیا یہ قریب والا معنیٰ مراد لینا درست ہے؟

جواب: تو اس کی تائید میں امام طحاوی فرماتے ہیں: یہ قریب والا معنیٰ مراد لینا لغت میں جائز ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں فرمایا:(**وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ**) یہاں یہ مراد نہیں کہ امساک و تسریح عدت پوری ہو جانے کے بعد کیا جائے کیونکہ عدت پوری ہو جانے کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور اس کو روکنا حرام ہو جاتا ہے اللہ تعالی نے ایک دوسری جگہ پر بیان کیا:(**وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ**) اللہ تعالی نے خبر دی کہ عدت پوری ہو جانے کے بعد عورتوں کے لئے نکاح کرنا حلال ہے پس ثابت ہوا کے شوہروں کو اول آیت میں جو عورت پر اختیار دیا ہے کہ وہ عدت پوری ہونے کے قریب ہے ہنا کے بعد میں پس ایسے ہی(**انه صلى الظهر فی الیوم الثانی حین صار ظل کل شیء مثله**)میں احتمال ہے کہ وہ نماز سایہ مثل ہو جانے کے قریب پر ہوئی اور جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت نکل جائے گا۔

اس معنی کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا انہوں نے یہ بھی روایت کیا (**انه صلى العصر فی الیوم الاول حین صار ظل کل شیء مثله**) پھر فرمایا(**ما بین هذین وقت**) تو یہ محال ہے کہ ان دو وقتوں کے درمیان وقت ہے حالانکہ آپ نے ظہر و عصر کو ایک وقت میں جمع فرمایا لیکن ہمارے نزدیک وہی معنی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

حدیث سے اس معنیٰ کی تائید

ابو موسی رضی اللہ تعالی عنہ نے دوسرے دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی خبر دیتے ہوئے فرمایا(پھر آپ نے ظہر کی نماز کو مؤخر کیا عصر کے قریب تک) پس ابو موسی رضی اللہ تعالی عنہ نے خبر دی کہ آپ نے دوسرے دن عصر کا وقت شروع ہونے کے قریب ظہر کی نماز پڑھائی نہ کہ عصر کے وقت میں۔

جب فقہاء کا اجماع ہے کہ ہر شے کا سایہ مثل ہو جانے کے بعد عصر کا وقت ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ محال ہے کہ یہ ظہر کا وقت ہو۔

اس بات پر دلیل کے ایک نماز کا وقت اس نماز کے ساتھ ہی خاص ہے وہ دوسری نماز کا وقت نہیں ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک نماز کا اول اور آخر وقت ہے اور بے شک ظہر کا اول وقت جب سورج ڈھلے اور آخری وقت جب عصر کا وقت شروع ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ عصر کا وقت داخل ہونے سے ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

وقت عصر

آپ علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کیا گیا آپ نے پہلے دن عصر کی نماز مثل پر پڑھائی تو یہ عصر کا اول وقت ہے اور دوسرے دن آپ نے سایہ کہ دو مثل ہو جانے پر پڑھائی پھر فرمایا(**الوقت فیما بین ھذین**)۔

اس میں احتمال ہے کہ مثلین عصر کا آخری وقت ہو۔ کہ اس سے نکل جانے سے نماز فوت ہو جائے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مثلین ایسا وقت ہے کہ نماز عصر کو اتنا مؤخر کرنا مناسب نہیں کہ وہ نکل جائے اور جو مثلین کے بعد نماز ادا کرے گا اگرچہ وہ وقت میں نماز ادا کرے گا لیکن وہ افراط و تفریط کرنے والا ہے کیونکہ اس نے فضیلت والا وقت فوت کر دیا۔

حدیث سے دلیل اس بات پر کہ مثلین عصر کا وقت اختیار ہے نہ کہ آخری وقت:

ا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کا اول اور آخری وقت ہے اور بے شک عصر کا اول وقت جب عصر کا وقت شروع ہوا اور آخری وقت جب سورج زرد ہو جائے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عصر کا وقت جب تک سورج زرد نہ ہو۔

ان آثار میں ہیں کہ عصر کا آخری وقت جب سورج زرد ہو جائے اور یہ سایہ دو مثل ہو جانے کے بعد ہوتا ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت کا قصد کیا وہ وقت فضیلت ہے نہ کہ آخری وقت۔

آخری وقت

امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، ابن وہب کی ایک روایت کے مطابق امام مالک

ان کے نزدیک عصر کا آخری وقت سورج کے غروب ہونے تک ہے۔

دلیل

ا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بِمَا حَدَّثَنَا ابْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: ثنا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ, قَالَ: ثنا شُعْبَةُ, عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ, عَنْ أَبِيهِ, عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ, عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ, فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ, وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَتَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ»)۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل روایت ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ آخری وقت غروب شمس ہے۔

امام شافعی

امام احمد، امام مالک کی مشہور روایت اور امام طحاوی کا مختار بھی یہی ہے (کیونکہ ان کے کلام سے یہی سمجھ آرہا ہے)

عصر کا آخری وقت سورج کا متغیر ہو جانا ہے۔

ان کی دلیل کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غروب شمس کے وقت نماز سے منع فرمایا۔

دلیل

ا: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے منع فرمایا جب سورج کا کنارہ طلوع ہو یا سورج کا کنارہ غائب ہو۔

۲: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت اپنی نمازوں کا قصد نہ کرو اور جب سورج کا کنارہ ظاہر ہو تو نماز کو مؤخر کرو حتی کہ خوب ظاہر ہو جائے اور جب سورج کا کنارہ غائب ہونے لگے تو نماز کو مؤخر کرو حتی کہ غائب ہو جائے۔

۳: سمرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت نماز

نہ پڑھو بے شک سورج شیطان کے دو سینگو کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے)۔

پس جب غروب شمس کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے منع فرمایا تو ثابت ہوا کہ یہ نماز کا وقت نہیں ہے اور اس کے داخل ہونے سے عصر کا وقت نکل جاتا ہے۔

امام اعظم کی طرف سے جواب

ان احادیث میں غروب شمس کے وقت نماز سے منع کیا اور اس کے علاوہ حدیث میں روایت ہے (**وَمَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الْعَصْرِ ,قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ ,فَقَدْ أَدْرَکَ الْعَصْرَ**) اس حدیث میں ہے کہ اس وقت میں عصر کی نماز شروع کرنا مباح ہے پس اول حدیث میں جو منع کیا گیا وہ اس کے علاوہ ہے جس کو دوسری حدیث میں مباح کیا گیا تاکہ دونوں حدیث میں تضاد نہ ہو (اور وہ وہی ہے جو ہم نے شروع میں بیان کیا)۔

نظر طحاوی

ہم وقت ظہر کو دیکھتے ہیں کہ اس میں نمازیں تمام مباح (جائز) ہیں نفل ہو یا قضا، ایسے ہی اس پر بھی اتفاق ہے کہ وقت عصر اور وقت فجر میں قضا نماز جائز ہے ہاں نوافل منع ہے پس ہر وہ وقت جس پر اتفاق ہو جائے تو سب کا اجماع ہے کہ اس میں قضا نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں پس جب ثابت ہو گیا کہ نمازوں کے اوقات کی یہ صفت ہے (کہ اس میں قضا نماز پڑھی جاسکتی ہے) اور بالاتفاق ثابت ہے کہ غروب شمس کے وقت میں قضا نماز ادا نہیں کی جاسکتی تو یہ وقت فرض نمازوں کے اوقات کی صفت سے نکل گیا پس ثابت ہو گیا کہ اس میں اصلاً کوئی نماز ادا نہیں کی جاسکتی جیسا کہ طلوعِ شمس اور نصف النہار اور غروب شمس کے وقت نماز سے منع فرمانا یہ ناسخ ہو گا اس قول کا (**وَمَنْ أَدْرَکَ رَکْعَةً مِنَ الْعَصْرِ ,قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ ,فَقَدْ أَدْرَکَ الْعَصْرَ**)۔

وقت مغرب

مغرب کا اول وقت غروب شمس ہے یہ بالاجماع ہے۔

ایک گروہ نے اختلاف کیا

طاؤس بن کیسان، عطاء بن ابی رباح، وھب بن منبہ ان کے نزدیک مغرب کا اول وقت جب ستارے طلوع ہوں۔

دلیل

ابو بصرہ غفاری رضی اللہ تعالی عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام مخمص میں ہمیں عصر کی نماز پڑھائی پس فرمایا کہ: یہ نماز تم سے پہلی امتوں پر پیش کی گئی انہوں نے اس کو ضائع کیا پس جس نے تم میں سے اس پر محافظ کی تو اس کو دگنا اجر

دیا جائے گا اور اس کے بعد کوئی نماز نہیں حتی کہ شاہد طلوع ہو (شاہد سے مراد تارے ہیں)۔

معناہ عندنا

احتمال ہے کہ یہ آپ علیہ السلام کا آخری قول ہوں اور شاہد سے مراد رات ہو (تو ہمارے نزدیک بھی یہی ہے کہ عصر کے بعد رات ہونے تک کوئی نماز نہیں) جیسا کہ لیث نے ذکر کیا لیکن لیث کے علاوہ جس نے ذکر کیا اس نے شاہد کی تاویل تارے سے کی اور یہ اس نے اپنی رائے سے کہا نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر کے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کثیر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ سورج غروب ہونے پر مغرب کی نماز ادا فرماتے۔

دلیل

ا۔ ابو مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز ادا فرماتے جب سورج غروب ہو جاتا۔

۲۔ جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز ادا فرماتے جب سورج غروب ہو جاتا۔

۳۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھا کرتے جب سورج پردے میں چھپ جاتا۔

آثار صحابہ

ا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ نماز یعنی مغرب ادا کرو اس حال میں کے راستے خوب روشن ہو۔

۲: حضرت عمر نے ابو موسی رضی اللہ تعالی عنہ کو خط لکھا کہ مغرب کی نماز پڑھو جب سورج غروب ہو۔

۳: حضرت عمر نے اہل بیت کو خط لکھا کہ وہ تارے ظاہر ہونے سے پہلے مغرب ادا کریں۔

۴: عبد الرحمن بن یزید کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود کی نماز پڑھائی جب سورج غروب ہوا پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ اس نماز کا وقت ہے۔

۵: حمید بن عبد الرحمن سے روایت ہے فرماتے ہیں میں عمر و عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا کہ وہ مغرب کی نماز ادا کرتے ہیں جب وہ سیاہ رات کی طرف دیکھتے پھر بعد میں افطار کرتے۔

پس اصحاب رسول میں اختلاف نہ تھا اس میں کہ مغرب کا اول وقت غروب شمس ہے۔

نظرِ طحاوی

قیاس بھی یہی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ دخول نہار یہ فجر کی نماز کا وقت ہے پس ایسے ہی دخول لیل مغرب کی نماز کا وقت ہے یہی قول احناف اور عام فقہاء کا ہے۔

آخری وقت

1: ایک قوم نے کہا کہ جب شفق غائب ہو تو مغرب کا وقت ختم ہو جائے گا اور انہوں نے شفق سے مراد سرخی لی ہے اور وہ امام ابو یوسف اور امام محمد ہیں۔

2: امام اعظم نے فرمایا جب شفق غائب ہو تو مغرب کا وقت ختم ہو جائے گا اور انہوں نے شفق سے مراد وہ سفیدی لی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے۔

نظرِ طحاوی

فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ سرخی جو سفیدی سے پہلے ہو وہ مغرب کا وقت ہے اور ان کا اختلاف سرخی کے بعد سفیدی کے بارے میں ہے۔

ہم نے فجر کو دیکھا کہ فجر سے پہلے سرخی ہوتی ہے پھر اس پر سفیدی چھا جاتی ہے پس یہ سرخی و سفیدی دونوں فجر کا وقت ہے جب یہ دونوں ختم ہو جائیں تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

پس قیاس یہ ہے کہ مغرب میں بھی سرخی اور سفیدی ایک نماز مغرب کا وقت ہے اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے جب یہ دونوں ختم ہو جائے تو نماز کا وقت ختم ہو جائے گا۔

وقتِ عشاء

اول وقت

شفقِ ابیض کے غروب ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔

آخری وقت

موقفِ شوافع

نمازِ عشاء کا آخری وقت نصف رات تک ہے۔

دلیل

1:عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوَّلًا وَآخِرًا, وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ الْعِشَاءِ حِينَ يَغِيبُ الْأُفُقُ, وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِينَ يَنْتَصِفُ اللَّيْلُ, وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ الْفَجْرِ, حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ, وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ»

2:عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو, عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «وَقْتُ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ

موقفِ احناف

عشاء کا آخری وقت طلوع فجر تک ہے، لیکن اس کا بعض وقت بعض وقت سے افضل ہے۔

دلیل

1:عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: "أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتَّى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلِ, وَحَتَّى نَامَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى وَقَالَ: «إِنَّهُ لَوَقْتُهَا, لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي»

فَفِي هَذَا أَنَّهُ صَلَّاهَا بَعْدَ مُضِيِّ أَكْثَرِ اللَّيْلِ

2:عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: كَتَبَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَى أَبِي مُوسَى: «وَصَلِّ الْعِشَاءَ أَيَّ اللَّيْلِ شِئْتَ وَلَا تَغْفُلْهَا» فَفِي هَذَا أَنَّهُ جَعَلَ اللَّيْلَ كُلَّهُ وَقْتًا لَهَا عَلَى أَنَّهُ لَا يَغْفُلُهَا

3:عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ, أَنَّهُ قَالَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَا إِفْرَاطُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ؟ قَالَ: «طُلُوعُ الْفَجْرِ»

س:عشاء کا آخری وقت کب تک ہے؟

ج:عشاء کے آخری وقت کے بارے میں مختلف احادیث آتی ہیں کسی روایت میں ہے کہ آپ نے رات کی پہلی تہائی تک نماز عشاء کو مؤخر کیا کہیں آپ خود فرماتے ہیں عشاء کا وقت نصف رات تک ہے تو دونوں قسم کی روایات پر یوں عمل کیا جائے گا کہ پہلی تہائی تک افضل وقت ہے اور نصف رات تک موخر کرنے سے فضیلت کم ہو جاتی ہے البتہ وقت باقی رہتا ہے اور بعض روایات میں نصف رات گزرنے پر نماز کی ادائیگی کا ذکر بھی پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ طلوع فجر تک عشاء کا وقت ہے اور یوں یہ تین اوقات میں پہلی تہائی کے اختتام تک اور یہ افضل ہے کہ نصف رات تک اور یہ فضیلت میں کم ہے اور طلوع فجر تک اس کی فضیلت پہلے دونوں وقتوں سے کم ہے۔

بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ صَلَاتَيْنِ, كَيْفَ هُوَ؟

امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل

ان حضرات کا موقف ہے کہ ظہر اور عصر کا ایک وقت ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں نمازوں کو ایک وقت میں جمع فرمایا، اور ایسے ہی مغرب اور عشاء کو جمع فرمایا۔

دلیل

عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُمْ خَرَجُوا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ, عَامَ تَبُوكَ, فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ, يَجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ, وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ"

احناف

ہر نماز کے لئے ایک مخصوص وقت ہے کہ اس وقت میں دوسری نماز مشروع نہیں ہے، پس دو جگہوں کے علاوہ (۱۔ مقام عرفہ اور ۲۔ مزدلفہ) کہیں بھی دو نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

دلیل

1: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِثْلَهُ يَعْنِي «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا عَجَّلَ بِهِ السَّيْرُ يَوْمًا, جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ, وَإِذَا أَرَادَ السَّفَرَ لَيْلَةً, جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ, يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ إِلَى أَوَّلِ وَقْتِ الْعَصْرِ, فَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا, وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ, حَتَّى يَغِيبَ الشَّفَقُ»

2: عَنْ عَائِشَةَ, رَضِيَ اللهُ عَنْهَا, قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ, يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَيُقَدِّمُ الْعَصْرَ, وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَيُقَدِّمُ الْعِشَاءَ»

3: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ, عَنْ عَبْدِ اللهِ, قَالَ: «مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةً قَطُّ فِي غَيْرِ وَقْتِهَا إِلَّا أَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ لِغَيْرِ مِيقَاتِهَا»

پس ان احادیث سے بات ظاہر ہو گئی کہ ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

شوافع کا رد

اور شوافع نے جو احادیث دلیل کے طور پر پیش کی ہے، ان میں جمع کرنے کا ذکر تو ہے مگر جمع کرنے کی کیفیت کا ذکر نہیں ہے،

پس احتمال پیدا ہوا کہ شاید ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کو اس کے اول وقت میں، اور اسی طرح مغرب کو اس کے آخری وقت میں اور عشاء کو اس کے اول وقت میں پڑھی ہو۔ اور اس پر دیگر احادیث بھی شاہد ہیں۔

نظرِ طحاوی

پس ہم نے فجر کی نماز میں غور و فکر کیا کہ فجر کی نماز کو اس کے وقت سے مقدم کرنا یا مؤخر کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ فجر کا ایک خاص وقت ہے جو دوسری کی نماز کا نہیں، تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس طرح فجر کا وقت اس کے لئے خاص ہے تو ایسے ہی تمام نمازوں کے لئے الگ الگ وقت خاص ہے، کہ اس کے وقت میں دوسری نماز جائز نہیں، پس مناسب نہیں ہے کہ اس نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کیا جائے یا مقدم کیا جائے۔

بَابُ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى أَيُّ الصَّلَوَاتِ؟

اول قول

عبد اللہ بن شداد، عروہ بن زبیر، امام اعظم ابو حنیفہ ایک روایت میں، اسامہ بن زید، ابو سعید خدری، زید بن ثابت، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم

ان کے نزدیک صلاۃ وسطی نماز ظہر ہے۔

دلیل

1: حَدَّثَنَا رَبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْمُرَادِيُّ الْمُؤَذِّنُ , قَالَ: ثنا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ , قَالَ: ثنا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ , عَنِ الزِّبْرِقَانِ قَالَ: إِنَّ رَهْطًا مِنْ قُرَيْشٍ اجْتَمَعُوا , فَمَرَّ بِهِمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ , فَأَرْسَلُوا إِلَيْهِ غُلَامَيْنِ لَهُمْ يَسْأَلَانِهِ عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى , فَقَالَ: هِيَ الظُّهْرُ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلَانِ مِنْهُمْ , فَقَالَ: هِيَ الظُّهْرُ , إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَجِيرِ فَلَا يَكُونُ وَرَاءَهُ إِلَّا الصَّفُّ وَالصَّفَّانِ , وَالنَّاسُ فِي قَائِلَتِهِمْ , وَتِجَارَتِهِمْ , فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى {حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى} [البقرة: ٢٣٨] فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ أَوْ لَأُحَرِّقَنَّ بُيُوتَهُمْ»

زبرقان سے روایت ہے کہ قریش کی ایک جماعت اکٹھی تھی پس زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے انہوں نے اپنے دو غلام آپ کے پاس بھیجے کہ وہ آپ سے نماز وسطی کے متعلق پوچھیں تو آپ نے فرمایا وہ ظہر ہے پھر ان میں سے دو شخص کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا وہ ظہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کو پڑھاتے تھے دوپہر میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک یا دو صف ہوتیں اور لوگ آرام اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی (حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چاہیے کے لوگ باز آجائیں یا ان کے گھروں کو جلادوں۔

2۔ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ الْفَرَجِ، قَالَ: ثنا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُكَيْرٍ، قَالَ: ثنا مُوسَى بْنُ رَبِيعَةَ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ أَبِي الْوَلِيدِ الْمَدِينِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَفْلَحَ: أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِهِ أَرْسَلُوهُ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ يَسْأَلُهُ عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى , فَقَالَ: " اقْرَأْ عَلَيْهِمُ السَّلَامَ , وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّا كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهَا الَّتِي فِي إِثْرِ الضُّحَى. قَالَ: فَرَدُّونِي إِلَيْهِ الثَّانِيَةَ , فَقُلْتُ: يَقْرَءُونَ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُولُونَ بَيِّنْ لَنَا أَيُّ صَلَاةٍ هِيَ؟ فَقَالَ: اقْرَأْ عَلَيْهِمُ السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّا كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهَا الصَّلَاةُ الَّتِي وُجِّهَ فِيهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَعْبَةَ قَالَ: وَقَدْ عَرَفْنَاهَا هِيَ الظُّهْرُ

عبد الرحمن بن افلح سے روایت ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے انہیں عبد اللہ بن عمر کے پاس بھیجا کہ ان سے پوچھو نماز وسطی کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا انہیں سلام کہنا اور خبر دینا کہ ہم کہا کرتے تھے کہ نماز وسطی وہ ہے جو چاشت کے پیچھے ہے فرماتے ہیں کہ صحابہ نے مجھے دوبارہ ان کے پاس بھیجا میں نے کہا وہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ واضح فرمائیں کہ وہ کونسی نماز ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ انہیں میرا اسلام کہنا اور خبر دینا کہ ہم کہا کرتے تھے کہ نماز وسطی وہ نماز ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کعبے کی طرف کیا گیا۔

دوسروں نے ان کی مخالفت کی کہ نمازِ وسطی ظہر کی نماز نہیں کوئی اور ہے۔

انہوں نے زید بن ثابت اور عبد اللہ بن عمر کی حدیث کا جواب دیا

زید بن ثابت والی روایت کا جواب

زید بن ثابت والی روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہی قول مروی ہے (**لَيَنْتَهِيَنّ رِجَالٌ أَوْ لَأُحَرِّقَنّ بُيُوتَهُمْ**) اور بقیہ وہ زید بن ثابت کا قول ہے جو کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (منقول نہیں) روایت نہیں کیا اور انہوں نے آیت سے خود استدلال کیا کہ وہ نماز ظہر ہے بہر حال ہمارے نزدیک اس آیت میں کوئی دلیل نہیں اس پر نماز وسطی نماز ظہر ہے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ آیت تمام نمازوں پر محافظت کے لیے اتری وہ وسطی ہو یا اس کے علاوہ تو اس آیت کے ذریعہ تمام نمازوں پر محافظت واجب ہوتی ہے اور نمازوں پر محافظت میں سے یہ بھی ہے کہ نمازوں کے لئے حاضر ہونا جہاں بھی ادا کی جائے پس وہ نماز جس کی حاضری میں لوگ غفلت کرتے اس نماز کے بارے میں آپ نے ان کو یہ قول ارشاد فرمایا۔ اس میں نماز وسطی ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

ابن عمر کی روایت کا جواب ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پیچھے گزری اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ روایت نہیں اور وہ صرف ابن عمر کا قول ہے کیونکہ انہوں نے خود فرمایا ہے (**أَنَّهَا الصَّلَاةُ الَّتِي وُجِّهَ فِيهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَعْبَةَ**)۔

اور ابن عمر سے تو اس کے بر خلاف منقول ہے

(**وحَدَّثَنَا يُونُسُ قَالَ: ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: ثنا اللَّيْثُ, قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ, عَنِ ابْنِ شِهَابٍ, عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: «الصَّلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الْعَصْرِ» فَلَمَّا تَضَادَّ مَا رُوِيَ فِي ذَلِكَ, عَنِ ابْنِ عُمَرَ دَلَّ هَذَا عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ فِيهِ شَيْءٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ, وَرَجَعْنَا إِلَى مَا رُوِيَ عَنْ غَيْرِهِ**)۔

(**لَيَنْتَهِيَنّ رِجَالٌ أَوْ لَأُحَرِّقَنّ بُيُوتَهُمْ**)

اس قول کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ یہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے کس نماز کے متعلق ارشاد فرمایا؟

1: زید بن ثابت کے نزدیک یہ نماز ظہر کے لئے فرمایا۔

2: عبد اللہ بن مسعود کے نزدیک یہ قول نماز جمعہ کے لئے ہے عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے نماز جمعہ سے پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق فرمایا کہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں کسی شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر وہ قوم جو نماز جماعت سے پیچھے رہ جاتے ہیں ان پر ان کے گھروں کو جلادوں عبد اللہ بن مسعود نے اس کے ذریعے استدلال نہ کیا کہ نماز جمعہ نماز وسطی ہے۔ تابعین میں سے حسن بصری نے بھی ابن مسعود کے اس قول میں موافقت کی ہے حسن بصری سے روایت ہے کہ وہ اس جس کے اہل پر آپ علیہ السلام نے جلانے کا ارادہ کیا وہ نماز جمعہ ہے۔

3: ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک نماز عشاء کے متعلق ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ارادہ کرتا ہوں کہ کسی شخص کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں پس وہ لکڑیاں جمع کرے پھر نماز کا حکم دوں پس اس کے لیے اذان کہی جائے پھر کسی شخص کو حکم دو کہ وہ لوگوں کی امامت کرے پھر میں ان لوگوں کے پیچھے جاؤ اور ان پر ان کے گھروں کو جلادوں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میں میری جان ہے اگر ان میں سے کوئی ایک جانتا تھا کہ وہ موٹی ہڈی یا بکری کے دو کھر پائے گا تو ضرور عشاء میں حاضر ہوتا تابعین میں سے سعید بن مسیب نے اس قول کی موافقت کی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بھی اس سے یہ استدلال نہ کیا کہ نماز وسطی نماز عشاء ہے بلکہ ان سے تو اس کے برخلاف مروی ہے۔

4: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے سب کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ قول کسی نماز کے متعلق نہیں بلکہ کسی دوسری حالت کے لیے ہے۔

ابو زبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے اگر شے نہ ہوتی تو میں کسی شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دیتا پھر میں گھروں کو جلا دیتا ان پر جو ان کے گھروں کے اندر ہیں تو حضرت جابر نے فرمایا آپ نے اس شخص کی وجہ سے فرمایا جس کی طرف سے آپ کو کوئی نامناسب شےء پہنچی اس آپ نے فرمایا(**لئن لم ينته لأحرقن عليه بيته على مافيه**)

اس میں اور جو کچھ پہلے گزرا اس میں نماز وسطی پر کوئی دلیل نہیں۔

(زید بن ثابت کی روایت کا بھی جواب ہو گیا اور ابن عمر کی روایت میں تضاد آ گیا تو ہم نے ارادہ کیا کہ ہم رجوع کریں آپ کے علاوہ کی طرف)۔

دوسرا قول

نماز وسطی نماز فجر ہے اور اس کے قائل ابن عباس ہے۔

ابو رجاء سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے ابن عباس کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی پس آپ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی اور فرمایا کہ یہ نماز وسطی ہے (حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى-وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ) ابن عباس کا قول سے اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اس قنوت سے مراد نماز فجر کی قنوت ہے پس انہوں نے اس کے ذریعہ سے نماز وسطی اس نماز کو بنایا جس میں قنوت ہو قنوت نماز فجر ہے لہذا نماز وسطی نماز فجر ہے۔

اس آیت کے متعلق ابن عباس کی مخالفت کی گئی کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی

زید بن ارقم رضی اللہ ہو تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ہم نماز میں کلام کرتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی اور ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔

یزید بن ہارون اور مجاہد سے بھی اسی طرح کی روایت منقول ہے۔

پس زید بن ارقم اور ان کے علاوہ نے خبر دی کہ جس قنوت کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے اس سے مراد نماز میں کلام سے خاموش رہنا ہے پس اس کے ذریعے یہ بات خارج ہو گئی کہ اس آیت میں دلیل ہے کہ مذکورہ قنوت سے مراد نماز فجر کی قنوت ہے بلکہ ایک قوم نے تو اس بات کا انکار کر دیا کہ ابن عباس فجر میں قنوت پڑھتے تھے اگر ہوتی تو آپ اس بات کو ترک نہ فرماتے۔

ابن عباس سے ایک دوسرا معنیٰ بھی روایت کیا گیا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے فجر کی نماز کو وسطی کہا (عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «الصَّلَاةُ الْوُسْطَى هِيَ الصُّبْحُ ,تصلي بَيْنَ سَوَادِ اللَّيْلِ وَبَيَاضِ النَّهَارِ»)

تیسرا قول

نماز وسطی نماز عصر ہے۔

ابن عباس کا ایک قول یہ بھی ہے۔

رزین بن عبید عبدی سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے ابن عباس کو فرماتے ہوئے سنا کہ [صلوۃ وسطی نماز عصر ہے "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ"۔]

چوتھا قول

(ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی اس میں روایات مختلف ہو گئی)

اس مذہب والوں نے کہا کہ وہ عصر کی نماز نہیں ہے۔

دلیل

عمرو بن رافع بیان کرتے ہیں کہ وہ ازواج مطہرات کے زمانے میں مصحف لکھا کرتے تھے فرماتے ہیں کہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے مجھ سے مصحف لکھوایا اور مجھے فرمایا کہ جب سورہ بقرہ کی اس آیت پر پہنچو تو وہ آیت نہ لکھنا یہاں تک کہ تم میرے پاس آجاؤ اور میں تمہیں لکھواؤں گی جیسا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح یاد کی کہتے ہیں کہ جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں وہ ورق تھا جس پر لکھ رہا تھا لے کر آیا تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا لکھو "**حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَصَلَاةِ الْعَصْرِ**"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے۔

استدلال چونکہ ان آثار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا گیا (**حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَصَلَاةِ الْعَصْرِ قُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ**) چونکہ یہاں عطف ہے اور عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے تو ثابت ہوا کہ نماز وسطی نماز عصر نہیں۔

ان کا رد

ہمارے نزدیک اس میں کوئی دلیل نہیں اس بات پر جو آپ نے ذکر کی کہ نماز وسطی نماز عصر نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ نماز عصر کے دو نام ہوں عصر اور وسطی یہاں دونوں ہی ذکر کیے گئے ہیں یعنی عطف تفسیری ہے یہ تاویل اس وقت درست ہو گی اگر ثابت ہو جائے کہ ان آثار میں جو تلاوت مذکور ہے وہ اس تلاوت پر زائد ہے جس کے ساتھ حجت قائم ہے۔

اس بات کی تائید حدیث سے (کہ وہ تاویلات زائد ہے)

عمرو بن رافع سے روایت ہے کہ حفصہ بنت عمر کے مصحف میں لکھا ہوا تھا(**حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى**)**وَصَلَاةِ الْعَصْرِ** (**قُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ**)

اس سے وہ تاویل ثابت ہو گی جو ہم نے بیان کی کہ عصر کے دو نام ہے عصر اور وسطی اور ان کا مذہب بھی ثابت ہو گیا جنہوں نے کہا کہ صلاۃ وسطی نماز عصر ہے۔

حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے جو تلاوت روایت کی گئی وہ منسوخ ہو چکی اس کی دلیل:

براابن عازب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی (**حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَصَلَاةِ الْعَصْرِ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ**) تو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس کی تلاوت کرتے رہے جب تک اللہ نے چاہا تو پھر اللہ عزوجل نے اس کو منسوخ کردیا یہ آیت نازل فرمائی (**حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى**)

ثابت ہوا کہ وہ تلاوت منسوخ ہو چکی۔ اب اگر تو اللہ عزوجل کا قول ثانی نماز عصر کے وسطی ہونے کا ناسخ ہے تو نماز عصر کا وسطی ہونا منسوخ ہو چکا ہے اور اگر وہ قول عصر دوناموں میں سے ایک کیلئے ناسخ ہے اور دوسرے کو ثابت کرتے ہیں تو ثابت ہے کہ نماز وسطی نماز عصر ہے۔

راجح قول

اکابر صحابہ اور احناف کا بھی یہی موقف ہے۔

علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے جنگ احزاب کی (ہم نے گروہوں سے قتال کیا) انہوں نے ہمیں نماز عصر سے مشغول رکھا حتی کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ ان لوگوں کے دلوں کو آگ سے بھر دے جنہوں نے ہمیں نماز وسطی سے مشغول رکھا اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خیال کرتے تھے کہ نماز وسطی نماز فجر ہے حضرت علی خبر دے رہے ہیں کہ وہ نبی کریم علیہ السلام کے اس فرمان سے پہلے گمان کرتے تھے کہ وہ عصر ہے لیکن جب انہوں نے آپ علیہ السلام سے سنا تو جان لیا کہ وہ عصر کی نماز ہے۔

عبد اللہ بن مسعود ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی اس طرح کی روایت منقول ہیں: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرکے خبر دے رہے ہیں کہ وہ نماز عصر ہے تو اس کے مقابلے میں ان کی رائے کو کیسے قبول کر لیا جائے گا جو اس کے مخالف ہے۔ (نماز فجر والے قول کی طرف اشارہ اور اس کا رد)۔ اکابر صحابہ کا بھی یہی موقف ہے یعنی ابی بن کعب، ابو سعید خدری، علی، ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ: **الصلاۃ الوسطی صلاۃ العصر**

نماز عصر کی وجہ تسمیہ

1: کیوں کے یہ رات کی دو نمازوں اور دن کی دو نمازوں کے درمیان ہے۔

2: انہوں نے ایک حدیث بیان کی کیونکہ نمازوں میں نماز فجر کی اور آخری عشاء کی تو وہ ہو گی جو پہلی اور آخری کے درمیان ہو گی امام طحاوی فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی یہی معنی صحیح ہے۔

بَابُ الْوَقْتِ الَّذِي يُصَلَّى فِيهِ الْفَجْرُ أَيُّ وَقْتٍ هُوَ؟

ائمہ ثلاثہ، امام شافعی، امام مالک، امام محمد، امام اوزعی، اسحاق بن راہویہ

ان کے نزدیک نماز فجر غلس اندھیرے میں پڑھی جائے گی اور یہ اسفار سے افضل ہے۔

دلیل

1: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ہم مومن عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھتی اپنی چادر میں لپٹے ہوئے پھر عورتیں اپنے گھروں کی طرف لوٹتی اور کوئی ایک ان کو نہ پہچان سکتا اور ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے بعض بعض کو نہ پہچانتی اندھیرے کی وجہ سے۔

2: بشیر بن ابو مسعود نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو اندھیرے میں پڑھائی پھر پڑھائی تو خوب روشنی میں پڑھائی پھر کبھی اسفار کی طرف نہ لوٹے حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے آپ کو ظاہری وفات دے دی۔

3: قیلہ بنت مخرمہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور آپ اپنے اصحاب کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے اور تحقیق فجر کے لیے اقامت کہی گئی تھی اس وقت جب فجر پھوٹی (طلوع ہوئی) اور تارے آسمان می جھرمٹ بنائے ہوئے تھے اور مرد اندھیرے کی وجہ سے پہچانے نہ جاتے تھے۔

4: حرملہ بن عبد اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں قبیلہ کے سواروں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی بس آپ نماز سے فارغ ہوئے اور میں قوم کے چہرے پہچان نہ سکتا تھا یعنی اندھیرے کے سبب۔

امام اعظم ابو حنیفہ امام ابو یوسف امام محمد ابراہیم نخعی امام ثوری، کوفہ کے فقہاء

ان کے نزدیک فجر میں اسفار مستحب ہے اور اسفار افضل ہے تغلیس سے سفر و حضر، گرمی و سردی میں تمام لوگوں کے حق میں سوائے مزدلفہ میں حجاج کے حق میں۔

دلائل

1: ابو طریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ طائف کے محاصرے میں حاضر تھے پس آپ ہمیں فجر کی نماز پڑھاتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنا تیر پھینکتا تو وہ اپنے تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا۔

2: عبد اللہ بن محمد بن عقیل سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے جابر بن عبد اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کو مؤخر کرتے اس کے نام کی طرح۔

3: سیار بن سلامہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں اپنے والد کے ساتھ ابو برزہ پر داخل ہوا میرے والد نے ابو برزہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ آپ علیہ السلام فجر کی نماز سے فارغ ہوتے اور آدمی اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے کا چہرہ پہچان لیتا اور آپ 60 سے 100 آیت کی تلاوت کرتے۔

ان آثار میں ہے کہ آپ نماز فجر میں تاخیر کیا کرتے اور اسے روشنی میں پڑھتے۔

اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ علیہ السلام تمام دنوں میں صبح کی نماز پڑھتے ہیں اس وقت کے خلاف جس وقت میں مزدلفہ میں پڑھتے تھے اور بیشک یہ نماز کے وقت سے پھیر دی گئی ہے۔

کلام طحاوی

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ان آثار میں اور ان سے پہلے والے آثار میں سے کسی میں دلیل نہیں اس بات پر کہ افضل وقت کونسا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ آپ نے کچھ کام کیا حالانکہ اس کا غیر اس سے افضل ہے امت پر آسانی کرتے ہوئے جیسا کہ آپ نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا حالانکہ تین تین دفعہ اس سے افضل ہے۔

وہ مرویات جن میں یہ ہے کہ افضل وقت کونسا ہے

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (**أَسفِرُوا بِالْفَجْرِ فَكُلَّمَا أَسْفَرْتُمْ، فَهُوَ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ، وَقَالَ: لِأُجُورِكُمْ**")

ان آثار میں فضیلت کے وقت کے بارے میں خبر دینا ہے اور وہ ہے فجر میں روشنی کرکے پڑھنا اور پہلے والے آثار میں خبر دینا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وقت میں نماز پڑھی ہے کہ آپ نے کبھی غلس میں پڑھی اور کبھی اسفار میں امت پر وسعت کرتے ہوئے اور افضل وقت وہ ہے جو رافع بن خدیج کی حدیث میں ہے۔

(اقوال وافعال) آثار صحابہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ

۱۔ حبان بن حارث سے روایت ہے فرمایا کہ ہم حضرت علی کے ساتھ سحری کی پس جب آپ سحری سے فارغ ہوئے تو مؤذن کو حکم دیا پھر اس نے نماز کی اقامت کہی۔

اس حدیث میں فجر میں شروع کرنے کا تو ذکر ہے لیکن فارغ ہونے کا ذکر نہیں ممکن ہے کہ آپ تو اسفار میں شروع کرتے ہوں اور لمبی قرات کرتے ہوں اور اسفار میں فارغ ہوتے ہو جیسا کہ اس روایت میں۔

۲۔ داود بن یزید اودی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ حضرت علی نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور ہم سورج کو دیکھ رہے تھے اس خوف سے کہ کہیں وہ طلوع تو نہیں ہو گیا۔

۳۔ علی بن ربیعہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت علی کو فرماتے ہوئے سنا: **یاقنبر اسفر اسفر۔**

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ

۱۔ عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمر کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی پس آپ نے اس میں سورہ یوسف اور سورہ حج کی قرات کی آہستہ آہستہ ہشام بن عروہ کہتے ہیں میں نے کہا اللہ کی قسم تب تو وہ طلوع فجر کے وقت کھڑے ہوتے ہوں گے انہوں نے کہا ہاں۔

۲۔ سائب بن یزید نے کہا میں نے حضرت عمر کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی پس آپ نے اس میں سورہ بقرہ کی تلاوت کی تھی جب لوگ فارغ ہوئے تو وہ سورج کو دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ سورج طلوع کر آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا اگر سورج طلوع کر آتا تو ہمیں غافل نہ پاتا۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں ہے ہمارا خیال یہی ہے کہ آپ اندھیرے میں نماز شروع کرتے ہوں گے اور خوب اسفار میں ختم کرتے ہوں گے۔

۳۔ مہاجر سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ابو موسی رضی اللہ تعالی عنہ کو خط لکھا کہ وہ فجر اندھیرے میں پڑھیں اور قرات لمبی کریں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہمیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے صبح کی نماز پڑھائی آپ نے سورہ آل

عمران کی تلاوت کی تو صحابہ نے کہا قریب ہے کہ سورج طلوع ہو جائے تو آپ نے فرمایا اگر وہ طلوع ہو تا تو ہمیں غافل نہ پاتا۔

امام طحاوی فرماتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق کا یہ کرنا صحابہ کی موجودگی میں ہوا اور ان کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے قریب ہے اور کسی نے ان پر انکار نہ کیا تو یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام ان کی پیروی کرتے تھے اسی طرح ان کے بعد حضرت عمر نے بھی ایسا کیا اور کسی نے انکار نہ کیا تو ثابت ہوا کہ فجر میں ایسا ہی کیا جائے گا اور بے شک انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوف معلوم تھا وہ اس کے مخالف نہ تھا۔

اعتراض

اگر کوئی اعتراض کرے کہ پھر ابن عمر کے اس قول کا کیا معنیٰ ہو گا جو مغیث بن سمی کو فرمایا جب آپ نے فجر میں تغلیس کی (**هذه صلاتنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم و مع ابي بكر و عمر فلما قتل عمر أسفر بها عثمان**)

جواب: اس میں احتمال ہے کہ آپ کی اس سے مراد نماز شروع کرنا ہو نہ کہ نماز سے فارغ ہونا تاکہ یہ اور ما قبل روایات متفق ہو جائیں اور ان کا یہ قول (**ثم اسفر بها عثمان**) اس کا معنی ہے کہ وہ ایسے وقت میں فارغ ہوتے جس میں وہ بے خوف ہو جاتے کہ ان پر حملہ ہو جائے جیسا کہ حضرت عمر پر حملہ ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ

فرافصہ بن عمیر حنفی نے خبر دی کہ میں نے سورہ یوسف کو حضرت عثمان کے فجر میں کثرت سے اس سورت کی تلاوت کرنے سے یاد کیا۔

یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اس معاملہ میں پہلوں کے برابر ہیں یعنی غلس میں فجر میں داخل ہونا اور اسفار میں فارغ ہونا۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ

عبد الرحمن بن یزید سے روایت ہے فرمایا کہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ نماز پڑھتے تھے آپ صبح کی نماز میں اسفار کرتے۔

زمانہ رسالت ﷺ میں بھی ایسا ہوتا تھا کہ صبح کی نماز میں طویل قرات کی جاتی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تھے اور بنی غفار کا ایک شخص لوگوں کی امامت کرواتا پس میں نے ان کو سنا کہ وہ صبح کی نماز کی پہلی رکعت میں سورہ مریم اور دوسری میں ویل للمطففین کی قرات کرتے۔

کلام طحاوی

جب وہ جو ہم نے اصحاب رسول سے روایت کیا اس میں ہے کہ فجر سے فارغ ہونا اسفار میں ہوتا اور ساتھ ہی ہم نے روایت کیا اس نماز میں طول قرات تو ثابت ہوا کہ صبح کی نماز میں اسفار کو ترک کرنا کسی کے لئے مناسب نہیں اور تغلیس نہ کی جائے گی مگر یہ کہ اس کے ساتھ اسفار ہو۔

اعتراض: جو حضرت عائشہ نے روایت کیا اس کا کیا معنٰی ہوگا؟

جواب: اس میں احتمال ہے کہ آپ کا یہ خبر دینا طول قرأت کا حکم دیا جانے سے پہلے کا ہے۔

حدیث عائشہ دو طرح سے **منسوخ** ہے

ا۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے فرماتی ہیں پہلے نماز دو دو رکعت فرض کی گئی پھر جب آپ علیہ السلام مدینہ تشریف لائے تو ہر نماز کے ساتھ اسی کی مثل ملا دیں گی علاوہ مغرب کے کہ وہ وتر ہے اور علاوہ فجر کے اس میں طول قرأت کی وجہ سے اور جب آپ سفر کرتے تو پہلی نماز کی طرف لوٹ آتے۔

حضرت عائشہ خبر دے رہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مکمل ہونے سے پہلے مسافر کی طرح نماز پڑھتے اور مسافر کا حکم تخفیف الصلاۃ ہے پھر جب بعض نماز میں زیادتی کر دی گئی اور بعد میں طول قرات کا حکم دیا گیا تو ممکن ہے فجر میں تغلیس کرنا اور عورتوں کا نماز سے فارغ ہونا اور اندھیرے کی وجہ سے نہ پہچانا جانا یہ اس وقت تھا کہ جس وقت میں نماز پڑھی جاتی ویسی جیسی اب سفر میں پڑھی جاتی ہے پھر طول قرات کا حکم دیا گیا اور یہ کہ حضر میں جو عمل کیا جائے گا وہ بخلاف ہوگا اس کے جو سفر میں کیا جاتا ہے یعنی طول قرات اور تخفیف قرات اور فرمایا **اسفرو بالفجر** یعنی فجر میں لمبی قرات کرو یہ نہیں ہوگا اس صورت میں کہ وہ اسفار کے آخری وقت میں نماز شروع کریں لیکن یہ کہ وہ وقت اسفار میں اس سے فارغ ہوتے ہوں تو اس کے ذریعہ حدیث عائشہ کا منسوخ ہونا ثابت ہو گیا۔

۲۔ آپ علیہ السلام کے بعد صحابہ کرام کا فعل بھی نسخ پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ وقت اسفار میں نماز سے فارغ ہوتے۔

ابراھیم نخعی سے روایت ہے فرمایا: **ما اجتمع أصحاب محمد علی شیء ما اجتمعوا علی التنویر**۔ حضرت ابراہیم نخعی نے صحابہ کے اجماع کی خبر دی اور ممکن ہی نہیں کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے خلاف اجماع کر لیں مگر یہ کہ اس کا منسوخ ہونا ثابت ہو تا اس کے خلاف ثابت ہو۔

مناسب ہے تغلیس میں نماز فجر میں شروع ہونا اور وقت اسفار میں فارغ ہونا یہی قول احناف کے ائمہ ثلاثہ کا ہے۔

بَابُ الْوَقْتِ الَّذِي يُسْتَحَبُّ أَنْ يُصَلَّى صَلَاةُ الظُّهْرِ فِيهِ

قولِ اوّل

☆: لیث بن سعد، اشہب، اکثر عراقی اِن کے نزدیک نمازِ ظہر کو تعجیلًا (یعنی جلدی) پڑھنا مستحب ہے۔

دلیل

1: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرَةَ وَابْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَا: ثنا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ، قَالَ: ثنا عَوْفُ الْأَعْرَابِيُّ، عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بَرْزَةَ، يَقُولُ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّذِي تَدْعُونَهُ الظُّهْرَ إِذَا دَحَضَتِ الشَّمْسُ»

ترجمہ: ابوبرزہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ دوپہر کی نماز پڑھتے تھے۔ جسے تم ظہر کہتے ہو۔ جب سورج زائل ہوتا (درمیانِ آسمان سے)

2: وَحَدَّثَنَا ابْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ: ثنا أَبُو حُذَيْفَةَ، قَالَ: ثنا سُفْيَانُ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: «مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشَدَّ تَعْجِيلًا لِصَلَاةِ الظُّهْرِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اسْتَثْنَتْ أَبَاهَا وَلَا عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا»

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نمازِ ظہر میں جلدی کرتے نہ دیکھا آپ نے اپنے والد کا استثناء بھی نہ کیا نہ حضرت عمر کا

قولِ ثانی (ائمہ ثلاثہ)

☆: احناف، امام شافعی، امام احمد، صحیح روایت کے مطابق امام مالک

انہوں نے کہا کہ سردیوں میں تو ظہر جلدی پڑھیں گے۔ بہر حال گرمیوں میں اسے مؤخر کیا جائے گا حتیٰ کہ اسے ٹھنڈا کر کہ پڑھنا مستحب ہے۔

دلیل

1: بِمَا حَدَّثَنَا ابْنُ مَرْزُوقٍ, قَالَ: ثنا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ, قَالَ: ثنا شُعْبَةُ, عَنْ مُهَاجِرٍ أَبِي الْحَسَنِ, عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ, عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: "كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْزِلٍ, فَأَذَّنَ بِلَالٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

«مَهْ يَا بِلَالُ» ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ: «مَهْ يَا بِلَالُ» , ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ: «مَهْ يَا بِلَالُ» حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ , ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ , فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ»

ترجمہ: ابو ذر سے روایت ہے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ ساتھ کسی جگہ پر تھے۔ پس بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہنی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ٹھہر وائے بلال۔۔۔۔(ایسا 3 مرتبہ ہوا)۔۔۔۔۔۔" حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے سے ہے پس نماز کو ٹھنڈا کرو جب گرمی کی شدت ہو

2: حَدَّثَنَا فَهْدٌ , قَالَ: ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ , قَالَ: ثنا أَبُو مُعَاوِيَةَ , عَنِ الْأَعْمَشِ , عَنْ أَبِي صَالِحٍ , عَنْ أَبِي سَعِيدٍ , قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ , فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ»

اِن آثار میں ظہر کو ٹھنڈا کرنے کا حکم ہے گرمی کی شدت کی وجہ سے۔ تو یہ گرمی ہی میں ہو گا۔

اعتراض

اگر کہنے والا کہے کہ دونوں امروں میں سے اولیٰ کیا ہے؟ یعنی گرمیوں میں تعجیل یا تاخیر۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ سے گرمیوں میں تعجیل کرنا بھی مروی ہے۔ جو کہ تاخیر کرنے کے مخالف ہے؟

جواب

گرمیوں میں تعجیل ابتدائے اسلام میں تھی لیکن بعد میں منسوخ کر دی گئی جیسا کی حدیث پاک میں ہے: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي دَاوُدَ , قَالَ: ثنا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ , وَتَمِيمُ بْنُ الْمُنْتَصِرِ قَالَا: ثنا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ , قَالَ: ثنا شَرِيكٌ , عَنْ بَيَانٍ , عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ , عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ , قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِالْهَجِيرِ , ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ , فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ»

فإن احتج محتج

اگر دلیل پکڑنے والا ظہر کی تعجیل میں دلیل پکڑے اس حدیث پاک سے: بِمَا حَدَّثَنَا فَهْدُ بْنُ سُلَيْمَانَ , قَالَ: ثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ: أنا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ , عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ , عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ: سَمِعَ الْحَجَّاجُ أَذَانَهُ بِالظُّهْرِ وَهُوَ فِي الْجَبَّانَةِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ: مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ , حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ قَالَ: فَصَرَفَهُ وَقَالَ: «لَا تُؤَذِّنْ وَلَا تَؤُمَّ» **ترجمہ:** سوید بن غفلہ سے روایت ہے فرمایا کہ حجاج نے آپ کو ظہر کی آذان کہتے سنا اور آپ جبانہ میں تھے اس نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ یہ کون سی نماز ہے۔ فرمایا کہ میں

نے حضرت ابو بکر، عمر، عثمان کے ساتھ نماز پڑھی جب سورج ڈھلا اس نے آپ کو پھیرا اور کہا کہ آپ نہ اذان کہیں گے نہ امامت کریں گے۔

جواب: اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ گرمیوں میں تھا ممکن ہے کہ یہ سردیوں میں ہوں اور ان کے نزدیک گرمیوں کا حکم اس کے خلاف ہو۔

☆: ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ابو محذورہ کو مکہ کے اندر فرمایا کہ تم گرم زمین کے اندر شدید گرمی والی جگہ میں ہو۔ پس ٹھنڈا کرو پھر نماز کیلئے اذان کو ٹھنڈا کرو۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث میں حضرت ابو محذورہ کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا تو ہمارے لیے یہ ہے کہ ہم سوید رضی اللہ تعالی عنہ والی روایت کو محمول کریں ایسی صورت پر جو اس کے خلاف نہ ہو پس حضرت سوید والی حدیث وہ گرمی کے وقت میں نہ تھا۔

اعتراض

اگر کہنے والا یہ کہے کہ ظہر کا حکم تو یہ کہ تمام زمانہ میں ہی ظہر جلدی پڑھی جائے۔ اور اس میں تاخیر نہ کی جائے۔ جیسا کہ حضرت خباب، عائشہ، جابر، ابوبرزہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا کہ آپ نے ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا یہ رخصت ہے گرمی کی شدت کی وجہ سے کیوں کہ ان کی مسجد کا سایہ نہ تھا۔ جیسا کہ میمون بن مہران سے روایت ہے فرمایا: نصف النہار کے وقت نماز میں کوئی حرج نہیں اور صحابہ نصف النہار کے وقت نماز کو ناپسند جانتے وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ مکہ میں نماز پڑھتے تھے اور وہ شدید گرمی والی جگہ ہے اور ان کے لئے کوئی سایہ نہ تھا پس فرمایا (**ابردوابھا**)

جواب: یہ کلام محال سا ہے کیونکہ اگر ایسا ہو جیسا کہ آپ نے ذکر کیا تو آپ علیہ سلام سفر کی حالت میں اس نماز کو مؤخر نہ فرماتے تھے جہاں نہ کوئی گھر ہوتا اور نہ کوئی سایہ وغیرہ جیسا کہ حدیثِ ابوذر میں ہے اور آپ اس نماز کو اسی وقت پڑھ دیتے کیونکہ اوّل وقت میں بھی گھر اور سایہ وغیرہ نہ ہوتا پس آپ کا اس وقت نماز کو ترک کرنا یہ دلیل ہے اس بات پر کہ آپ کا نماز کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دینا اس وجہ سے نہ تھا کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے لوگ گھروں میں ہوتے ہیں۔ پھر وہ نکلتے پس گرمی چلے جانے کے وقت نماز پڑھتے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جہاں کوئی گھر وغیرہ نہ وہاں ضرور اوّل وقت میں ادا فرماتے تھے ہمارے نزدیک آپ کا یہ قول (ابردوالظہر) اس لیے ہے کہ اس وقت پڑھنا سنت ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الْعَصْرِ هَلْ تُعَجَّلُ أَوْ تُؤَخَّرُ؟

☆: اسحاق بن عبد اللہ بن طلحہ سے روایت ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ ہم عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے پھر کوئی انسان بنی عمر بن عوف کی طرف نکلتا تو وہ انہیں نماز عصر پڑھتے ہوئے پاتا۔

عن الزھری عن انسٍ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر پڑھاتے تھے پس جانے والا عوالی کی طرف جاتا اور سورج ابھی بلند ہوتا۔ (امام زہری فرماتے ہیں عوالی دو یا تین میل پر ہے)

☆: حضرت انس کی حدیث مختلف ہوگی کیونکہ پہلی حدیث اور عاصم بن عمر بن قتادہ اور ابو الابیض کی روایت تعجیلِ عصر پر دلالت کرتی ہے کیوں کہ ان کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر پڑھاتے تھے پھر جانے والا جاتا ان جگہوں پر جن کا انھوں نے ذکر کیا تو وہاں کے لوگوں کو پاتا کہ انہوں نے نماز عصر نہ پڑھی ہوتی اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے پہلے نماز پڑھ لیتے تھے۔ پس یہ تعجیل کی دلیل ہے۔

اور امام زہری والی روایت میں ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز عصر پڑھتے تھے پھر جانے والا عوالی کی طرف جاتا اور سورج بلند ہوتا۔ تو ممکن ہے کہ سورج بلند ہو اور زرد ہو چکا ہو۔ پس حدیث انس مضطرب ہو گئی کیونکہ امام زہری والی حدیث کا معنیٰ دوسری روایت کے مخالف ہے۔

☆: ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر پڑھتے اور سورج بلند سفید ہوتا۔ آدمی نماز سے فارغ ہو کر ذوالحلیفہ تک سورج غروب ہونے سے پہلے چھ میل چلا جاتا۔

یہ حدیث تاخیر عصر پر دلالت کرتی ہے۔

☆-----------------☆

حضرت انس سے روایت ہے جب ان سے نمازوں کے اوقات کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر ادا فرماتے تمہاری ان دو نمازوں کے درمیان

اب اس میں احتمال یہ ہے کہ آپ نے اپنے اس قول (مابین صلاتیکم ھاتین) سے مراد لی ہو نماز ظہر اور نماز مغرب کے درمیان تو یہ بھی تاخیرِ عصر پر دلالت کرتا ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس سے مراد لی ہو کہ تمہارے تعجیل اور تاخیر کرنے کے درمیان تو بھی تاخیر پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن تاخیر شدید مراد نہیں۔

اعتراض

(عصر کو موخر کرنا مراد کیسے ہو سکتا ہے۔) حالانکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عصر کو مؤخر کرنے کی مذمت میں حدیث روایت کی گئی ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ منافقین کی نماز ہے۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ ان میں سے کوئی ایک بیٹھا رہتا ہے کہ جب سورج زرد ہو جائے اور وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان میں ہوتا ہے۔ وہ کھڑا ہوتا ہے اور چار چونچ مارتا ہے اور ان میں اللہ کا تھوڑا ذکر کرتا ہے۔

جواب

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں بیان کیا کہ تاخیرِ مکروہ کیا ہے؟

کہ وہ اتنا مؤخر کرنا ہے کہ اس کے بعد صرف چار رکعت پڑھنا ممکن ہو اور ان میں اللہ کا تھوڑا ذکر ہو۔ بہر حال نماز آسانی سے پڑھی جائے اور اس میں اللہ کا ذکر آسانی سے کیا جائے۔ سورج متغیر ہونے سے پہلے تو اس بارے میں یہ نہیں ہے۔

ہمارے لئے اولیٰ یہ ہے کہ ہم انہیں اتفاقی صورت پر محمول کریں اور وہ یہ کہ جو اس حدیث میں بیان ہوا وہ تاخیرِ مکروہ ہے اور وقت مستحب وہ ہے جس کو ابو الابیض نے حضرت انس سے بیان کیا اور ابو مسعود والی حدیث اس کے موافق ہے۔

اعتراض

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ جو تعجیل عصر پر دلالت کرتی ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نماز عصر ادا فرماتے اور سورج ان کے حجرے میں ہوتا چڑھنے سے پہلے۔

اور روایت میں ہے کہ: سورج میرے حجرے میں روشن ہوتا۔

(تو ظاہر ہے کہ سورج اس وقت ہی حجرے میں ہو گا جب وہ بلند ہو گا۔ تو یہ تعجیلِ عصر پر دلالت کرتی ہے)

جواب

ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوتا ہو (حالانکہ آپ عصر کو مؤخر کر کے پڑھتے ہوں) ان کے حجرے کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اور سورج کی شعاعیں حجرے سے نہ ختم ہوتی ہو مگر غروبِ شمس کے قریب تو اس حدیث میں تعجیلِ عصر پر کوئی دلالت نہیں۔

کلام طحاوی

امام ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں کہ جب ان آثار کو جمع کیا گیا اور صحیح کیا گیا تو ہم نے پایا کہ وہ تاخیر عصر پر دلالت کرتے ہیں اور ہم نے کوئی حدیث نہ پائی تھی کہ جو تعجیلِ عصر پر دلالت کرتی ہوں مگر اس کے مخالف کوئی نہ کوئی حدیث ہوتی ہے پس اس وجہ سے

ہم نے تاخیرِ عصر کو مستحب قرار دیا

مگر یہ کہ نماز عصر اس وقت میں پڑھی جائے کہ جس کے بعد بھی کافی وقت ہو سورج غروب ہونے سے پہلے۔

☆: صحابہ کرام سے بھی روایت کیا گیا ہے جو تاخیر عصر پر دلالت کرتا ہے:

حضرت عمر نے اپنے عمّال کو لکھا کہ نماز عصر پڑھے اس حالت میں کہ سورج بلند ہو سفید ہو صاف ہو اتنی مقدار پہلے کے سوار دو یا تین فرسخ سفر کر لے۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں جو تم سے پہلے تھے (یعنی صحابہ کرام) وہ تم سے زیادہ ظہر میں جلدی کرتے اور تم سے زیادہ عصر میں تاخیر کرتے۔

نماز عصر کی وجہ تسمیہ

ابو قلابہ سے روایت ہے کہ اس نماز کو عصر اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ مؤخر کر کے پڑھی جاتی۔

احناف کے نزدیک عصر کا وقت

ہمارے نزدیک بھی عصر کو مؤخر کرنا مستحب ہے۔ لیکن اتنا نہیں کہ سورج متغیر ہو جائے یا اس میں زردی داخل ہو جائے یہی قول احناف کے ائمہ ثلاثہ کا ہے اور یہی قول ہم لیتے ہیں۔

اعتراض

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عصر پڑھا کرتے تھے پھر ہم اونٹ کو ذبح کرتے پس ہم اسے دس حصوں میں تقسیم کرتے پھر ہم پکارتے پس ہم بُھنا ہوا گوشت کھاتے سورج غائب ہونے سے پہلے۔

جواب: ممکن ہے کہ وہ عصر کو مؤخر کر کے ہی پڑھتے ہو اور وہ یہ کام بہت جلدی جلدی کر لیتے ہو ہمارے نزدیک اس حدیث میں تاخیرِ عصر کے خلاف کوئی دلیل نہیں۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ إِلَى أَيْنَ يَبْلُغُ بِهِمَا؟

امام مالک، امام احمد کا ایک قول

ایک روایت کے مطابق امام احمد اور امام مالک کے اصحاب میں سے عراقیوں کا یہ مذہب ہے کہ آدمی نماز شروع کرنے کے وقت ہاتھوں کو دراز کرتے ہوئے اٹھائے گا اور انہوں نے کوئی جگہ معین نہ کہ کہاں تک اٹھائے گا۔

دلیل

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو دراز کرتے ہوئے بلند کرتے۔

امام شافعی

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز کے شروع کرتے وقت ہاتھوں کو کندھوں کے محاذی اٹھایا جائے گا اور اس سے تجاوز نہ کیا جائے گا۔

دلیل

عن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بیشک آپ جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے محاذی اٹھاتے۔

ابن عمر سے بھی ایسی روایت مروی ہے۔

کلامِ طحاوی

امام جعفر طحاوی فرماتے ہیں کہ حدیث ابو ہریرہ اس کے مخالف نہیں کیونکہ اس حدیث میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے لیکن کہاں تک اٹھائے جائیں یہ ذکر نہیں تو ممکن ہے کہ کندھوں کے برابر تک اٹھانا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ نماز شروع کرنے سے پہلے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا ہو پھر اس کے بعد نماز کے لیے تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے۔

پس حدیث ابی ہُریرہ وہ نماز کے لیے کھڑے ہونے کے وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے پر محمول ہے اور حدیث علی اور ابن عمر وہ نماز کے شروع کرنے کے وقت ہاتھ اٹھانے پر محمول ہو حتیٰ کہ ان کے آثار میں تضاد نہ رہا۔

احناف

امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، مالکیہ کی ایک جماعت، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، ان کا مذہب یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اٹھائے۔

دلیل

1: براءبن عازب سے روایت ہے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ آپ کے انگوٹھے آپ کے دونوں کانوں کی لَو کے قریب ہو جاتے۔

2: وائل بن حجر سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے نبی کریم کو دیکھا جب نماز کے لئے تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اپنے کانوں کی لو تک۔

کلام طحاوی

کس جگہ تک ہاتھ اٹھائے اس بارے میں مختلف آثار مروی ہیں حدیث ابو ہریرہ اور حدیث علی و ابن عمر میں تو تطبیق بیان کر دی اب ہم مذکورہ حدیث وائل بن حجر اور حدیث ابن عمر میں تطبیق بیان کرتے ہیں۔

وائل بن حجر سے روایت ہے فرمایا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا پس میں نے آپ علیہ السلام کو دیکھا آپ نے اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے اور جب سجدہ کرتے۔۔**فَذَكَرَ مِنْ هَذَا مَاشَاءَاللهُ**

فرماتے ہیں میں نے آنے والے سال پھر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور ان میں چادر اور ٹوپیاں تھی پس وہ ان کے اندر ہی اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے شریک نے اشارہ کیا کہ سینے تک۔

وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ اس حدیث میں خبر دے رہے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے کیونکہ اس وقت ان کے ہاتھ ان کے کپڑوں میں تھے اور انہوں نے ہی خبر دی تھی کہ وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں تک اٹھاتے تھے جب ان کے ہاتھ کپڑوں میں نہ ہوتے۔

پس ہم نے سب پر ہی عمل کیا۔ پس ہم نے بتایا کہ جب سردی کی وجہ سے ہاتھ کپڑوں میں ہوں تو جہاں تک طاقت ہو اٹھالے اور وہ کندھے ہیں اور جب ہاتھ خالی (کپڑوں میں نہ) ہو تو کانوں تک ہاتھ اٹھالے جیسا کہ آپ ﷺ نے کیا۔ اور جائز نہیں کہ حدیث ابن عمر کو بنایا جائے (یعنی جس میں کندھوں تک اُٹھانے کا ذکر ہے) کہ ہاتھ خالی ہوتے کیونکہ اس صورت میں یہ حدیث ،حدیث وائل بن حجر کے مخالف ہو جائے گی تو حدیثوں میں تضاد ہو گا جب کہ ہم نے اتفاقی صورت پر انہیں محمول کیا ہے۔

بَابُ مَا يُقَالُ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ تَكْبِيرَةِ الِافْتِتَاحِ

امام اعظم

امام اعظم ابو حنیفہ: ثناء کے علاوہ کسی شے کا اضافہ نہ کیا جائے ہاں تعوّذ پڑھ سکتا ہے۔ اگر امام ہو یا منفرد ہو۔

دلیل

وَحَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَيْفٍ التُّجِيبِيُّ قَالَ: ثنا عَلِيُّ بْنُ مَعْبَدٍ قَالَ: ثنا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، ثُمَّ يَقُولُ: «سُبْحَانَكَ اللهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالَى جَدُّكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ»

شوافع

اصحاب ظواہر، اصحاب شافعیہ، اوزاعی: ثناء پر زیادتی کی جائے گی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: «وَجَّهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ»

دلیل

فَذَكَرُوا مَا حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: ثنا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ، قَالَ: ثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ الْمَاجِشُونِ، عَنْ عَمِّهِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ: «وَجَّهْتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ»

بَابُ قِرَأَةِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي الصَّلَاةِ

امام شافعی

امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد، مجاہد اِن کا مذہب یہ ہے کہ تسمیہ فاتحہ کا حصہ ہے اور نمازی کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ بسم اللہ کی قرات کرے جیسا کہ فاتحہ کی قراءت کی جاتی ہے۔

دلیل

1: نعیم بن عمر سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس آپ نے بسم اللہ پڑھی پس جب آپ والضالین پر پہنچے تو تو آمین کہا پس لوگوں نے آمین کہا پھر جب سلام پھیرا تو فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک میری نماز حضور کی نماز کے زیادہ مشابہ ہے۔

2: ابن جریج عن ابی ملیکہ عن ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا: بے شک نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان کے گھر نماز پڑھتے تھے پس آپ قرأت کرتے: {بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ مَٰلِكِ يَوۡمِ ٱلدِّينِ إِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَإِيَّاكَ نَسۡتَعِينُ ٱهۡدِنَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلۡمُسۡتَقِيمَ صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ غَيۡرِ ٱلۡمَغۡضُوبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ}

3: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے {وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي} [الحجر: 87] فرمایا فاتحۃ الکتاب ہے پھر ابن عباس نے بسم اللہ پڑھی اور فرمایا کہ یہ ساتویں آیت ہے۔

4: وَكَمَا حَدَّثَنَا فَهْدٌ قَالَ: ثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: أنا شَرِيكٌ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا «أَنَّهُ جَهَرَ بِهَا»

5: وَكَمَا حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرَةَ قَالَ: ثنا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ: ثنا أَبُو بَكْرٍ النَّهْشَلِيُّ، قَالَ: ثنا يَزِيدُ الْفَقِيرُ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "أَنَّهُ كَانَ يَفْتَتِحُ الْقِرَاءَةَ بِ{بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} [الفاتحة: 1]"

احناف

1: امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام احمد، سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، انہوں نے کہا ہم جہری نمازوں

میں بسم اللہ کو جہراً خیال نہیں کرتے۔

2: ان میں سے بعض نے کہا وہ سراً کہے گا اور وہ امام اعظم، امام احمد ہیں۔

3: اور بعض نے کہا کہ وہ اصلاً کہے گا ہی نہیں نہ سراً نہ جہراً اور یہ امام مالک اور اوزاعی ہیں۔

دلیل

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے اور خاموش نہ ہوتے۔

کلام طحاوی

(حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا جواب)

یہ دلیل ہے اس بات پر کہ تسمیہ فاتحہ کا حصہ نہیں ہے اگر فاتحہ کا حصہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور دوسری رکعت میں اس کو قرأت کرتے جیسا کہ فاتحہ کی قرأت کی۔

اور وہ لوگ جنہوں نے پہلی رکعت میں بسم اللہ کو مستحب قرار دیا ہے۔ انہوں نے دوسری رکعت میں بھی مستحب قرار دیا کیونکہ ان کے نزدیک تسمیہ فاتحہ کا حصہ ہے۔

پس جب حدیثِ ابو ہریرہ کے ذریعے دوسری رکعت میں آپ ﷺ کے بسم اللہ پڑھنے کی نفی ہو گی تو اس کے ذریعے پہلی رکعت میں بھی پڑھنے کی نفی ہو گی۔

اب یہ حدیث اور نعیم بن مجمر والی حدیث معارض ہو گئ تو یہ والی حدیث نعیم والی حدیث سے زیادہ اولیٰ ہے اس کی سند کے درست ہونے کی وجہ سے اور اس کے طرق زیادہ قوی ہیں بنسبت نعیم والی حدیث کے۔

(اُمّ سلمہ والی حدیث کا جواب)

ام سلمہ والی حدیث کو روایت کرنے والے راویوں نے اس سے مختلف الفاظ سے روایت کیا۔

اللیث عن ابن ابی ملیکه عن یعلی: یعلی نے ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کے بارے میں سوال کیا تو حضرت ام سلمہ نے آپ کے ساتھ آپ کی قرات کی صفت بیان کی ایک ایک حرف کر کے ترتیل کے ساتھ۔

پس اس میں ہے کہ اُم سلمٰی رضی اللہ عنہا نے بسم اللہ پڑھنے کے ساتھ رسول اللہ کے تمام قرآن کی قراءت کی کیفیت کو بیان کیا۔ کہ وہ

کیسی ہوتی تھی؟ تو اس میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے تھے۔

تو اس حدیث کا معنیٰ حدیث ابن جریج کے معنیٰ کا غیر ہے۔

تو ممکن ہے کہ حدیث ابن جریج میں جو فاتحہ اور تسمیہ وغیرہ کا ذکر ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرأۃ کی کیفیت بیان کرنا مقصود ہو کہ وہ ترتیل سے ہوتی، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ تو اس کے ذریعے نفی ہوگی کہ حدیث ام سلمہ میں کسی کے لئے دلیل ہو۔

(ابن عباس والی حدیث کا جواب)

بہر حال جو تم نے یہ ذکر کیا کہ فاتحہ سبع مثانی ہے، تو اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اور جو تم نے یہ ذکر کیا کہ بسم اللہ فاتحہ کا حصہ ہے ، تو ابن عباس سے تو ایسا روایت کیا گیا ہے جیسا کہ تم نے ذکر کیا، اور ابن عباس کے علاوہ سے مروی ہے: کہ آپ ﷺ اس میں جہر نہ کرتے تھے جو کہ ابن عباس کی حدیث کے خلاف ہے جب اختلاف ہو گیا تو قیاس ضروری ہوا۔

حدیث نمبر 1254: جس میں ہے کہ ابن عباس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عرض کی کہ آپ کو کس شے ءنے اُبھارا کے آپ نے انفال اور براٰت کو ملا دیا اور درمیان میں بسم اللہ نہ لکھی؟۔۔۔۔۔۔الخ

"مَا قَدْ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ شَيْبَةَ، قَالَ: ثنا هَوْذَةُ بْنُ خَلِيفَةَ، عَنْ عَوْفٍ عَنْ يَزِيدَ الرَّقَاشِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قُلْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَا حَمَلَكُمْ عَلَى أَنْ عَمَدْتُمْ إِلَى الْأَنْفَالِ، وَهِيَ مِنَ السَّبْعِ الطُّوَلِ وَإِلَى بَرَاءَةٌ وَهِيَ مِنَ الْمِئِينَ؟ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا ، وَجَعَلْتُمُوهُمَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ ، وَلَمْ تَكْتُبُوا بَيْنَهُمَا سَطْرَ {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} [الفاتحة: 1] فَقَالَ عُثْمَانُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْآيَةُ فَيَقُولُ: اجْعَلُوهَا فِي السُّورَةِ الَّتِي يَذْكُرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا" ، وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيهَةً بِقِصَّتِهَا. فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ أَسْأَلْهُ عَنْ ذَلِكَ ، فَخِفْتُ أَنْ تَكُونَ مِنْهَا فَقَرَنْتُ بَيْنَهُمَا ، وَلَمْ أَكْتُبْ بَيْنَهَا سَطْرَ {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} [الفاتحة: 1] وَجَعَلْتُهُمَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ" قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: فَهَذَا عُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يُخْبِرُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} [الفاتحة: 1] لَمْ تَكُنْ عِنْدَهُ مِنَ السُّورَةِ، وَأَنَّهُ إِنَّمَا كَانَ يَكْتُبُهَا فِي فَصْلِ السُّوَرِ، وَهِيَ غَيْرُهُنَّ: فَهَذَا خِلَافُ، مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ ذَلِكَ. وَقَدْ جَاءَتِ الْآثَارُ مُتَوَاتِرَةً عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا لَا يَجْهَرُونَ بِهَا فِي الصَّلَاةِ"

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ بسم اللہ سورتوں کا حصہ نہیں ورنا سورۃ براٰت کے شروع میں بھی لکھی جاتی۔

(بسم اللہ جہر پڑھنے کی نفی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان سے تواتر سے آثار مروی ہیں کہ یہ حضرات

نماز میں بسم اللہ جہراً نہ پڑھتے تھے۔

1: انس بن مالک سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر صدیق، عمر و عثمان کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ پس میں ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ میں جہر کرتے ہوئے نہ سنا۔

وَكَمَا حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ الْكَيْسَانِيُّ، قَالَ: ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: ثنا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: "صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِ{بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ}[الفاتحة:1]"

2: وَكَمَا حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرَةَ قَالَ: ثنا أَبُو عَاصِمٍ، وَسَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ قَالَا: ثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِ{الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ}[الفاتحة:2]

3: وَكَمَا حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي دَاوُدَ، قَالَ: ثنا دُحَيْمُ بْنُ الْيَتِيمِ، قَالَ: ثنا سُوَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ عِمْرَانَ الْقَصِيرِ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانُوا يُسِرُّونَ بِ{بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ}[الفاتحة:1]"

کلام طحاوی

یہ آثار تواتر سے مروی ہیں۔ ان میں سے بعض میں یہ ہے کہ یہ حضرات قرأت کو الحمد للہ سے شروع کرتے۔ تو اس میں یہ کوئی دلیل نہیں کہ وہ بسم اللہ کو ذکر ہی نہیں کرتے تھے۔ نہ پہلے نہ بعد کیوں کہ یہاں قرأت سے مراد قرآن کی قرأت ہے اور احتمال ہے کہ وہ بسم اللہ کو قرآن شمار نہ کرتے ہوں۔ اور وہ بسم اللہ کو ثنا یا اور دیگر اذکار کی طرح ایک ذکر شمار کرتے ہوں۔ پس بسم اللہ کے بعد جو قرآن کی قرأت شروع کی جاتی اس قرأت کو وہ الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے ہوں۔

اور بعض آثار میں یہ ہے کہ وہ بسم اللہ کو جہراً نہ پڑھتے تھے۔ پس اس میں دلیل ہے کہ وہ کہتے تو تھے لیکن جہراً نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو جہراً کی نفی کے کیا معنیٰ ہوتے۔ ان آثار کی تطبیق سے ترکِ جہر ثابت ہوا۔

4: كَمَا حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبٍ الْكَيْسَانِيُّ، قَالَ: ثنا عَلِيُّ بْنُ مَعْبَدٍ، قَالَ: ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا لَا يَجْهَرَانِ بِ{بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ}[الفاتحة: 1] وَلَا بِالتَّعَوُّذِ، وَلَا بِالتَّأْمِينِ"

کلام طحاوی

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد صحابہ سے ترکِ جہر بسم اللہ ثابت ہو گیا تو ثابت ہو گیا کہ بسم اللہ قرآن

سے نہیں اور اگر وہ قرآن سے ہوتی تو ضرور واجب ہوتا ہے اسے جہراً پڑھنا۔ جیسا کہ اس کے علاوہ قرآن کو جہراً پڑھا جاتا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جو بسم اللہ سورۃ نمل میں ہے اسے جہراً پڑھا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کے علاوہ قرآن کو جہراً پڑھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ قرآن سے ہے۔ پس جب ثابت ہو گیا کہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے گی اور قرآن کو جہراً پڑھا جائے گا تو ثابت ہوا کہ وہ قرآن سے نہیں اور ثابت ہوا کہ اسے آہستہ پڑھا جائے گا جیسا کہ اب تعوّذ و ثنا، اور ان کے مشابہ اذکار کو آہستہ پڑھا جاتا ہے۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ بسم اللہ کو سورتوں کے شروع میں لکھا جاتا ہے اور وہ یعنی بسم اللہ فاتحہ کے علاوہ سورتوں میں ان سورتوں کی آیت نہیں تو ثابت ہو گیا کہ وہ فاتحہ میں بھی آیت نہیں ہے۔

یہ جو ہم نے ثابت کیا کہ بسم اللہ فاتحہ کا حصّہ نہیں اور نماز میں یہ جہراً نہ پڑھی جائے گی یہ احناف کے آئمہِ ثلاثہ کا قول ہے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

امام مالک سے ایک روایت

سوید بن غفلہ، ابراھیم بن عُلیّہ اور ایک روایت کے مطابق امام مالک یہ کہتے ہیں: ظہر اور عصر میں اصلاً قرأت نہیں ہے۔

دلیل

1: عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس سے روایت ہے فرمایا: کہ ہم ابن عباس کے ساتھ بنو ہاشم کے نوجوانوں میں بیٹھے تھے تو ایک شخص نے ابن عباس سے عرض کی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں قرأت کرتے تھے؟ تو فرمایا: نہیں فرمایا: شاید وہ منہ میں قراءت کرتے ہوں پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں اللہ نے جو اُن کو حکم دیا پس آپ نے پہنچا دیا اور اللہ کی قسم آپ نے اس کا حکم نہ دیا۔

2: ولید بن قیس سے روایت ہے فرمایا میں نے سوید بن غفلہ سے پوچھا کیا ظہر و عصر میں قرأت کی جاتی تھی؟ تو فرمایا: نہیں۔

مؤقف اوّل والوں کو جواب

اِن کو کہا جائے گا ابن عباس والی روایت میں تمہارے لئے کیا دلیل ہے؟ حالانکہ اِن سے تو اس کے برخلاف روایت ہے۔

1: **عن عکرمة عن ابن عباس:** فرمایا میں نے سنت کو یاد رکھا علاوہ اس کے کہ میں نہیں جانتا کہ کیا آپ ﷺ ظہر و عصر میں قرأت کرتے تھے یا نہیں۔

☆: پس ابن عباس اس حدیث میں خبر دے رہے ہیں کہ ان کر نزدیک ثابت ہی نہیں متحقق ہی نہیں کے آپ ﷺ ظہر وعصر میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ پس جب متحقق نہیں تو جو انہوں نے پہلے کہا اس کی بھی نفی ہو گئی کیونکہ ابن عباس کے علاوہ صحابہ نے ظہر و عصر میں رسول اللہ ﷺ کی قراءت کو ثابت کیا ہے۔

2: ساتھ ہی ساتھ ابن عباس سے ان کی رائے روایت کی گئی وہ بھی موقف اول کے خلاف ہے۔ (**عن ابن عباس قال اقرا خلف الامام بفاتحة الکتاب فی الظهر و العصر**)

ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے قرأت کرے گا پس جب مقتدی قرأت کرے گا تو امام تو بدرجہ اولی قراءت کرے گا۔

ظہر و عصر میں قراءت کے ثبوت پر دلیل

1: ابو قتادہ سے روایت ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور اس کے ساتھ دو سورتوں کی قراءت کرتے اور کبھی ہمیں آیت سنا دیتے۔

2: **وَإِنَّ عَلِيَّ بْنَ مَعْبَدٍ قَدْ حَدَّثَنَا قَالَ: ثنا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُؤَدِّبُ، قَالَ: ثنا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ وَنَحْوِهِمَا مِنَ السُّوَرِ»**

جابر بن سمرہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں **والسماء والطارق** اور **والسماء ذات البروج** اور ان کی مثل سورتوں کی قرأت کرتے تھے۔

نظر طحاوی

ہم نے دیکھا کہ نماز میں قیام فرض ہے، ایسے ہی رکوع اور سجدہ بھی فرض ہے، اور یہ تمام نمازوں کے فرائض میں سے ہے، اور نماز ان کو ملی ہوئی ہے، کسی شی کو چھوڑ دیا گیا تو نماز کفایت نہ کرے گی، یہ تمام نمازوں میں برابر ہے۔ ہم نے قعدہ اولی کو دیکھا وہ واجب ہے، یہ تمام نمازوں میں برابر ہے۔ اور ہم نے دیکھا قعدہ اخیرہ کو، اس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ فرض ہے، بعض کہتے ہیں کہ وہ واجب ہے۔ ہر فریق نے اسے تمام نمازوں میں برابر بنایا ہے، (یعنی فرض کہنے والوں نے تمام نمازوں میں فرض کیا اور واجب کہنے والوں نے تمام نمازوں میں واجب کہا۔)

پس ان اشیاء میں سے جو بھی فرض ہے وہ تمام نمازوں میں فرض ہے۔

اور قرأت بالجہر رات کی نمازوں میں فرض نہیں لیکن وہ سنت ہے۔ اور نماز اس کے ساتھ ایسی ملی ہوئی نہیں جیسے رکوع و سجود کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ پس قرأت بالجہر کا بعض نمازوں میں ثبوت ہے اور بعض میں نفی ہے۔

اور جو فرض ہو اور نماز اس کو ملی ہوئی بھی ہو، تو نماز اس کے بغیر کفایت نہیں کرے گی۔ جب وہ بعض نمازوں میں فرض ہو گا تو بقیہ میں بھی ایسے ہی فرض ہو گا۔ پس جب ہم نے مغرب، عشاء اور فجر کو دیکھا کہ ان میں قرأت واجب ہے، اس مخالف قول میں بھی ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر نماز کفایت نہیں کرے گی۔ تو پھر ظہر و عصر میں بھی قرأت ایسے ہی واجب ہو گی۔ (کیونکہ جس کے ہاں کوئی شے کسی نماز میں فرض یا واجب ہو وہ تمام نمازوں میں فرض یا واجب ہوتی ہے) پس یہ حجۃ قاطعہ ہے اس کے خلاف جو ظہر و عصر میں قرأت کی نفی کرتا ہے۔

☆:وَ أَمَّا مَنْ لَا يَرَى الْقِرَاءَةَ مِنْ صُلْبِ الصَّلَاةِ

ایک گروہ کا یہ گمان ہے کہ قرأت نماز کا رکن نہیں ہے تو یہ ان کے خلاف بھی حجۃ ہے (اور وہ گروہ اصعم ، عُلیّہ، حسن بن صالح، ابن عیینہ ہے)

ہم نے مغرب اور عشاء کو دیکھا کہ ان دونوں نمازوں میں قرأت کی جاتی ہے اس قول کے مطابق بھی اور پہلی دو رکعتوں میں جہر کیا جاتا ہے اور ان کے علاوہ رکعتوں میں آہستہ قرأت کی جاتی ہے پس جب پہلی دو کے بعد والی میں سنت وہ قرأت کرنا ہے اور جہر کہ ساقط ہونے سے قرأت ساقط نہ ہوئی تو اس میں نظر (قیاس) یہ ہے کہ ظہر و عصر میں بھی سنت ایسے ہی ہو کہ جب ان میں قراءت بالجہر ساقط ہو گی تو اصلاً قرأت ساقط نہ ہو۔

یہی قول احناف کے آئمہ ثلاثہ کا ہے۔

☆:صحابہ کی بھی ایک جماعت ظہر و عصر میں قرأت کرتی تھی (عمر ، علی ، ابن مسعود، زید بن ثابت ، جابر بن عبد اللہ، خباب رضی اللہ عنہم)

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ

امام شافعی

"امام شافعی، اصحاب ظواہر، ہشام بن عروہ اور عروہ بن زبیر" یہ کہتے ہیں کہ مغرب میں احسن یہ ہے کہ اُن سورتوں کی تلاوت کی جائے جن کی رسول اللہ ﷺ نے کی جیسا کہ سورۃ اعراف، طور، مرسلات ان کی مثل ہی سورتیں پڑھی جائیں۔

دلیل

1: مُطعم بن جُبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: فرمایا میں نے مغرب کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کو سورۃ طور کی تلاوت کرتے ہوئے سُنا۔

2: زید بن ثابت والی روایت حدیث 1324 جس میں آپ نے مروان کو عتاب کیا چھوٹی قرأت کرنے پر۔ اور آپ نے رسول اللہ ﷺ کا سورۃ اعراف کی تلاوت کرنا ذکر کیا۔

3: امّ الفضل بنت حارث سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی ایک کپڑے میں جس میں آپ لپٹے ہوئے تھے۔ پس آپ نے (والمرسلات) کی قرأت کی اس کے بعد آپ نے نماز ادا نہ فرمائی حتیٰ کہ آپ کا ظاہری وصال ہو گیا۔

احناف

آئمہ ثلاثہ (احناف)، امام مالک اور امام احمد: اِنہوں نے کہا کہ مغرب میں مستحب یہ ہے کہ قصار مفصل تلاوت کی جائے۔

☆: مؤقف اول والوں کی روایت کا جواب

ممکن ہے کہ ان کا اس قول (قَرَأَ بالطّور) سے مراد اس صورت کا بعض حصہ تلاوت کرنا ہو اور ایسا لغت میں جائز ہے۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے قرآن پڑھا حالانکہ اس نے قرآن کا بعض حصہ تلاوت کیا ہوتا ہے اور ممکن ہے یہ بھی ہے کہ (قرأ بالطور) سے مراد پوری سورت کی قرأت ہو۔

☆: ہم نے غور کیا کہ کیا کوئی روایت ہے کہ جو کسی تأویل پر دلالت کرے۔

جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ میں زمانہ رسالت میں مدینہ حاضر ہوا تا کہ میں آپ ﷺ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں بات کروں، میں آپ کی بارگاہ میں پہنچا تو آپ اپنے اصحاب کو مغرب کی جماعت کروا رہے تھے۔ میں نے آپ کو **(انّ عذابَ ربّک لواقع)** کی قرأت کرتے ہوئے سنا گویا کہ میرا دل کھول دیا گیا، پس جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے قیدیوں کے متعلق بات کی تو فرمایا: اگر بڑا (شیخ، بزرگ) میرے پاس آتا تو میں اس کی سفارش قبول کر لیتا (یعنی ان کے والد مطعم بن عدی)

اس حدیث کے راوی ھشیم نے قصہ بیان کیا اور خبر دی کے جبیر بن مطعم نے **(انّ عذاب ربک لواقع)** یہ آیت سنی تو اس سے واضح ہو گیا کہ پہلی حدیث میں جبیر بن مطعم **(قرأ بالطور)** کہنا اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے آپ کو سورۃ طور سے قرأت کرتے ہوئے سنا اور جبیر کے وہی الفاظ ہیں جو ھشیم کے ہیں ہاں ھشیم نے قصہ بیان کیا ہے۔

پس جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے وہ خاص آپ کا اس آیت **(انّ عذاب ربک لواقع)** کی قرأت کرنا ہے۔

☆: اس تاویل کے صحیح ہونے کی تائید حدیث کے ذریعے

1: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ دَاوُدَ بْنِ مُوسَى، قَالَ: ثنا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَا: ثنا حَمَّادٌ، قَالَ: أنا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَرْمِي أَحَدُنَا، فَيَرَى مَوْضِعَ نَبْلِهِ»

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا ہم آپ علیہ السلام کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کرتے تھے پھر ہم سے کوئی تیر پھینکتا تو اس کے گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا۔

2: جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے فرمایا ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے پھر ہم بنی سلمہ آتے اور بے شک ہم تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتے اور بعض روایتوں میں ہے کہ دو تہائی میل کی مقدار تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیتے۔

☆: موقف ثانی والوں نے کہا کہ آپ علیہ السلام کا نماز مغرب سے فارغ ہونے کا وقت یہ ہے۔ تو محال ہے کہ آپ اعراف یا اس کی نصف (سورۃ کی مقدار) قرأت کرتے ہوں۔

سوال: کیا کوئی روایت ہے کہ جس میں ہو کہ آپ ﷺ مغرب میں قصار مفصل کی تلاوت کیا کرتے تھے؟

جواب: جی ہاں بالکل ہے:

1: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ مغرب میں قصار مفصل کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

2: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ دَاوُدَ، قَالَ: ثنا يَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: ثنا وَكِيعٌ، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ جَابِرٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ»

"اگر ہم حدیثِ جبیر بن مطعم اور ان کے ساتھ والی آثار کو اس پر محمول کریں جس پر ہمارے مخالف نے محمول کیا ہو تو ان آثار اور حدیث ابوہریرہ میں تضاد ہو گا اور اُس پر محمول کریں جس پر ہم نے محمول کیا ہے تو ان سب آثار میں اتفاق ہو گا اور اولیٰ یہ ہے کہ آثار کو اتفاق والی صورت پر محمول کریں نہ کہ تضاد والی پر"

پس ثابت ہو گیا کہ مغرب میں مستحب ہے کہ قصار مفصل کی قرأت کی جائے یہ احناف کے آئمہ ثلاثہ کا مؤقف ہے۔

3: حَدَّثَنَا فَهْدٌ قَالَ: ثنا ابْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، قَالَ: «أَقْرَأَنِي أَبُو مُوسَى كِتَابَ عُمَرَ إِلَيْهِ اقْرَأْ فِي الْمَغْرِبِ بِآخِرِ الْمُفَصَّلِ»

بَابُ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ

امام شافعی، امام مالک، امام احمد

امام شافعی، امام مالک، امام احمد: یہ کہتے ہیں کہ تمام نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

دلائل

1: حضرت عائشہ سے روایت ہے فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا «كُلُّ صَلَاةٍ لَمْ يُقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ»

2: ابو سائب کہتے ہیں میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز پڑھی اس میں فاتحہ کی قرأت نہ کی تو وہ نماز خداج ہے، خداج ہے "نامکمل ہے" (ابو سائب کہتے ہیں) پس میں نے کہا: اے ابوہریرہ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں فرمایا: اے فارسی اپنے نفس دل میں قرات کر۔

احناف

احناف اور امام ثوری یہ کہتے ہیں کہ تمام نمازوں میں امام کے پیچھے نہ فاتحہ کی قرأت کی جائے گی نہ اس کے علاوہ کی۔

دلائل

1: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي دَاوُدَ، قَالَ: ثنا الْحُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ الْأَوَّلِ الْأَحْوَلُ، قَالَ: ثنا أَبُو خَالِدٍ سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ، قَالَ: ثنا ابْنُ عَجْلَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا»

2: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: ثنا عَمِّي عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي اللَّيْثُ، عَنْ يَعْقُوبَ، عَنِ النُّعْمَانِ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ»

3: حَدَّثَنَا بَحْرُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: ثنا يَحْيَى بْنُ سَلَّامٍ، قَالَ: ثنا مَالِكٌ، عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: «مَنْ صَلَّى رَكْعَةً، فَلَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ، فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا وَرَاءَ الْإِمَامِ»

4: فَإِذَا يُونُسُ قَدْ حَدَّثَنَا قَالَ: أنا ابْنُ وَهْبٍ أَنَّ مَالِكًا حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ أُكَيْمَةَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ، فَقَالَ: «هَلْ قَرَأَ مِنْكُمْ مَعِي أَحَدٌ آنِفًا» فَقَالَ رَجُلٌ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنِّي أَقُولُ مَالِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ؟» قَالَ: فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِرَاءَةِ، مِنَ الصَّلَوَاتِ، حِينَ سَمِعُوا ذَلِكَ مِنْهُ"

☆: مؤقف اوّل کی دلیل کا جواب

جو انہوں نے حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے احادیث روایت کی ہیں ان میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ اس سے مراد وہ نماز ہے جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ نماز ہو جس نماز میں کوئی امام نہ ہو۔

اور انہوں (مقالہ ثانی والوں) نے مقتدی کو اس حکم سے نکال دیا ہے۔ آپ علیہ سلام کے اس قول کے ذریعے (مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ) مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہے پس مقتدی اس حکم (كُلُّ صَلَاةٍ لَمْ يُقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ) میں داخل نہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ نماز میں قرآن ہے؟ فرمایا: ہاں ایک انصاری شخص نے کہا: واجب ہے؟ راوی کہتے ہیں: ابو درداء نے کہا "میرا خیال ہے جب امام قوم کی امامت کرے تو وہ انہیں کافی ہے"

یہاں ابو دردء رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے بیان کی ہے کہ ان کے نزدیک یہ حکم منفرد اور امام پر ہے۔ نہ کہ مقتدیوں پر۔ ان کے رائے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے مخالف ہوگئی۔ اس سے نفی ہوگئی کہ کسی کے لئے اس میں کوئی حجت ہو۔

نظر طحاوی

ہم نے دیکھا کہ تمام فقہاء متفق ہیں اس پر کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ 'ایک شخص آیا اور امام رکوع کی حالت میں ہوں وہ تکبیر کہے اور امام کے ساتھ رکوع کرے اور وہ اس رکعت کو شمار کرے اگرچہ اس نے اس میں کچھ بھی قرأت نہ کی ہو' پس جب رکعت فوت ہونے کی حالت میں اس کو یہ (ترکِ قرأت) کفایت کر جائے گی تو احتمال ہے کہ اس کو یہ کافی ہو ضرورت کی وجہ سے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو یہ کافی ہے اس وجہ سے کہ امام کے پیچھے قرات فرض نہیں۔

پس ہم نے قیاس کیا ہم نے دیکھا کہ کسی نے اختلاف نہ کیا اس بارے میں کہ جو جماعت میں آیا اس حال میں کہ امام رکوع میں ہو پس وہ تکبیر کہہ کر نماز میں داخل ہونے سے پہلے رکوع کر لے تو یہ اسے کفایت نہیں کرے گا اگرچہ اس نے ضرورت کی وجہ

سے اور رکعت کے فوت ہونے کے خوف کی وجہ سے تکبیر کو ترک کیا۔ پس ضرورت کی حالت میں اور ضرورت کے علاوہ میں قیام کرنا ضروری ہے۔ پس فرائض کی یہی صفت ہے کہ ان کے بغیر نماز کفایت نہیں کرتی۔ ان کا نماز میں ہونا ضروری ہے۔ اور قرأت اس صفت کے مخالف ہے۔ اور وہ حالت ضرورت میں ساقِط ہو جاتی ہے۔ تو وہ جنسِ فرائض سے نہ ہوئی۔ پس نظر یہ ہے کہ وہ ضرورت کے علاوہ بھی ساقط ہو یہی قول احناف کا ہے۔

آثار صحابہ

1: حضرت علی نے فرمایا: جو امام کے پیچھے قرأت کرے وہ فطرت پر نہیں ہے۔

2: ابن مسعود سے روایت ہے فرمایا: قرأت کی وجہ سے خاموش رہ بیشک یہ نماز میں مشغولیت ہے اور امام تجھے کافی ہے۔

3: ابن مسعود نے فرمایا: کاش جو امام کے پیچھے قرات کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔

4: عبد اللہ بن عمر، زید بن ثابت، جابر بن عبد اللہ انہوں نے فرمایا: نمازوں میں کسی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرو۔

5: صحابہ کرام کی ایک جماعت کا قرأت خلف الامام کے ترک پر اجماع ہے اور احادیث بھی ان کی موافقت کرتی ہے اور قیاس بھی اس کے مطابق ہے تو یہی اولی ہے۔

بَابُ الْخَفْضِ فِي الصَّلَاةِ هَلْ فِيهِ تَكْبِيرٌ؟

مؤقفِ اوّل

عمر بن عبد العزیز، محمد بن سیرین، قاسم، سالم بن عبد اللہ، سعید بن جبیر، قتادہ: یہ حضرات نماز میں جب جھکتے تو تکبیر نہ کہتے تھے اور جب اُٹھتے تو اُس وقت تکبیر کہتے تھے اور بنو امیہ بھی ایسے ہی کرتے تھے۔

دلیل

ابن عبد الرحمن بن ابزی اپنے والد (عبد الرحمٰن ابرزی) سے روایت کرتے ہیں انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پس آپ تکبیر مکمل نہ کرتے تھے۔

آئمہ اربعہ

امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، حسن بصری، اوزاعی اور اِن کے علاوہ کثیر فقہاء کرام اور علماءِ کرام: وہ سب نماز میں جھکتے اور اُٹھتے وقت تکبیر کہتے۔

دلیل

1: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہتے ہوئے دیکھا۔

2: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علی نے ہمیں نماز کا بتایا کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے یا تو ہم اِسے بھول گئے ہیں یا ہم نے اِسے عمداً ترک کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی جھکتے اور اٹھتے اور سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے۔

3: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تکبیر مکمل کرتے۔ وہ تکبیر کہتے جب سجدہ کرتے اور جب اُٹھتے اور جب رکعت سے کھڑے ہوتے۔

اِمام طحاوی

مؤقفِ ثانی چار وجوہ سے ترجیح پاتا ہے:

1: تکبیر کے ثبوت میں جو آثار رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وہ حدیثِ عبد الرحمن بن ابزی سے زیادہ ظاہر ہیں

صحتِ سند اور راویوں کے متقن ہونے کے لحاظ سے اور یہ آثار تواتر کے ساتھ مروی ہیں۔

2: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم نے بھی اِسی پر عمل کیا، اِنکی پیروی کافی ہے۔

3: آج تک ان پر تواتر کے ساتھ عمل ہے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

4: قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔

قیاس

ہم نے دیکھا کے نماز میں داخل ہونا، رکوع، سجود سے نکلنا، قعدہ سے قیام کرنا یہ سب تکبیر کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدلنا تکبیر کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو اس پر قیاس یہ ہے کہ قیام سے رکوع کی طرف اور رکوع سے سجدے کی طرف حالت کا بدلنا بھی تکبیر کے ساتھ ہو "**یہ ہی احناف کا موقف ہے**"۔

بَابُ التَّكْبِيرِ لِلرُّكُوعِ وَالتَّكْبِيرِ لِلسُّجُودِ وَالرَّفْعِ مِنَ الرُّكُوعِ هَلْ مَعَ ذَلِكَ رَفْعٌ أَمْ لَا؟

امام شافعی، امام احمد

امام شافعی، امام احمد، ایک روایت کے مطابق امام مالک، حسن بصری، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن مبارک کے نزدیک رکوع کرنے رکوع سے اٹھنے اور بیٹھنے سے قیام کی طرف اُٹھنے کے وقت رفع یدین کرنا واجب ہے۔

دلائل

1: حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جب فرض نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، اور اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے، جب قرأت پوری کرتے رکوع کرنے کا ارادہ کرتے تو ایسا ہی کرتے، اور جب فارغ ہوتے اور رکوع سے اٹھتے تو ایسا ہی کرتے اور نماز میں بیٹھے ہوئے کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھاتے اور جب دونوں سجدوں سے کھڑے ہوتے تو ایسا ہی کرتے اور تکبیر کہتے۔

2: ابن عمر سے روایت ہے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو اُٹھاتے، حتیٰ کہ کندھوں کے برابر کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع سے اٹھنے کا ارادہ کرتے (تو بھی رفع الیدین کرتے) اور سجدوں کے درمیان ہاتھ نہ اٹھاتے۔

3: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب آپ نماز کے لئے تکبیر کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اپنے کانوں کے برابر۔

4: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔

5: ابو حمید ساعدی سے بھی ایسے روایت مروی ہے۔

احناف

احناف، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، اکثر مالکیہ اور اہل کوفہ: یہ کہتے ہیں کہ پہلی تکبیر میں رفعُ الیدین ہے اس کے علاوہ نہیں۔

دلائل

1: براابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی لو کے قریب ہوتے پھر دوبارہ نہ کرتے۔

2: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پہلی تکبیر میں ہاتھوں کو اٹھاتے پھر دوبارہ نہ اُٹھاتے (اعادہ نہ کرتے)۔

3: مغیرہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے ابراہیم نخعی سے کہا: کیا حدیث وائل ہے کہ حضرت وائل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا جب نماز شروع کرتے اور جب اور جب رکوع سے اٹھتے؟ فرمایا: "**إِنْ كَانَ وَائِلٌ رَآهُ مَرَّةً يَفْعَلُ ذَلِكَ، فَقَدْ رَآهُ عَبْدُ اللهِ خَمْسِينَ مَرَّةً، لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ- اگر وائل بن حجر نے آپ کو ایک مرتبہ ایسا کرتے دیکھا تو عبداللہ بن مسعود نے آپ علیہ السلام کو پچاس مرتبہ دیکھا کہ آپ ایسا نہ کرتے۔**"

اعتراض

مذہب اول والوں نے کہا کہ ہمارا قول تمہارے قول سے زیادہ اولیٰ ہے کہ ہمارے روایت کردہ آثار تواتر سے مروی ہیں ان کے ان کی سندیں صحیح ہیں اور زیادہ درست ہے۔

مذہب اول کے دلائل کا جواب

1: حدیثِ ابن ابوزناد یعنی حضرت علی کی روایت کا جواب

حضرت علی نے جو روایت کیا ہے تو آپ سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نماز کی پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے پھر اس کے بعد نہ اٹھاتے۔

عاصم بن کلیب کی روایت دلالت کرتی ہے کہ حدیث ابن ابوزناد دو وجوہ میں سے ایک پر ہے:

I. حدیث ابوزناد میں سقم ہے اور اس میں اصلاً رفع یدین کا ذکر نہیں جیسا کہ ابن خزیمہ نے روایت کیا اسی سند اور متن کے ساتھ لیکن اس میں رفع الیدین کا ذکر نہیں اگر یہ حدیث ابن خزیمہ محفوظ ہے اور حدیث ابن ابوزناد خطا والی تو خطا والی سے تمہاری حجت ثابت نہیں ہو سکتی۔

II. اور اگر حدیث ابن ابی زناد صحیح ہے کیونکہ انہوں نے زیادتی کی ہے اس پر جس کو ان کے غیر نے روایت کیا۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے آپ علیہ السلام کو رفع یدین کرتے دیکھا پھر اس کے بعد آپ نے رفع یدین ترک کیا تو یہ آپ نے نہ کیا ہو گا مگر اس وقت رفع یدین کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا حدیث علی میں ترکِ رفع یدین کے

قائلین کی بڑی حجت ہے۔

2: حدیث ابنِ عمر کا جواب

ابن عمر سے رفع یدین کرنے والی حدیث روایت کی گئی ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابن عمر کا فعل روایت کیا گیا جو اس کے مخالف ہے۔

☆: مجاہد سے روایت ہے فرمایا میں نے ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی پس آپ صرف نماز کی پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے۔

پس ابن عمر نے آپ علیہ السلام کو رفع یدین کرتے دیکھا پھر آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رفع الیدین کو ترک کیا۔ تو یہ آپ نہ کیا مگر اس وقت جب ان کے نزدیک رفع یدین کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا۔

اعتراض: ابن عمر کی مذکورہ حدیث منکر ہے۔

جواب: تمہارے پاس اس پر کیا دلیل ہے؟ پس تو ہر گز دلیل کی طرف راستہ نہ پائے گا۔

اعتراض: طاؤس نے ذکر کیا کہ انہوں نے ابن عمر کو رفع یدین کرتے دیکھا جو ابن عمر کی روایت کی موافقت کرتا ہے۔

جواب: طاؤس نے ابن عمر کا رفع یدین کرنا ذکر کیا ہے اور مجاہد نے اس کی مخالفت کی ہے۔ پس ممکن ہے کہ اس نے ابن عمر کو رفع یدین کرتے دیکھا کہ ابھی عمر کے نزدیک رفع الیدین کے منسوخ ہونے پر حجت قائم نہ ہوئی تھی اور جب ان کے نزدیک بھی رفع الیدین کے منسوخ ہونے پر حجت قائم ہو گی تو ابن عمر رفع یدین ترک کر دیا۔ ایسے ہی حدیث کو محمول کرنا مناسب ہے اور ان سے وہم کی نفی کرنا ورنہ کثیر روایات ساقط ہو جائیں گی۔

3: حدیث وائل کا جواب

ابراہیم نخعی نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے حدیث ذکر کی کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع الیدین کرتے نہ دیکھا؟ جو کہ حدیث وائل کے مخالف ہے۔ حالانکہ عبد اللہ بن مسعود تو رسول اللہ ﷺ کی زیادہ صحبت پانے والے ہیں اور آپ علیہ السلام کے افعال کو زیادہ سمجھنے والے ہیں وائل رضی اللہ تعالی عنہ کی نسبت۔

☆: حضور علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے عقل والے اور تقویٰ والے میرے قریب رہیں، پھر ان کے قریب والے، پھر ان کے قریب والے۔

☆: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: کہ مہاجرین آپ کے قریب رہیں تا کہ وہ آپ کے افعال یاد رکھیں۔

کلام طحاوی

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نبی کریم علیہ السلام کے قریب رہنے والوں میں تھے تاکہ وہ نماز میں آپ کے افعال کو جانے کہ وہ کیسے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو سکھائیں۔ پس قریب رہنے والے کی روایت زیادہ اولی ہوں گی نماز میں آپ سے دور رہنے والے کی روایت سے۔

4:حدیث ابو ہریرہ کا جواب

حدیث ابو ہریرہ مروی ہے " اسماعیل بن عیاش عن صالح بن کیسان سے " محدثین اسماعیل کو شامیوں کی روایت کے علاوہ حجت نہیں بناتے۔ تو ایسا راوی جس کے ذریعہ اگر مخالفین پر دلیل پکڑی جائے تو وہ اسے جائز قرار نہ دیں۔ تو پھر وہ اسی کی مثل کو اپنے خصم پر کیسے دلیل بناتے ہیں؟

نظر طحاوی

ہم نے دیکھا کہ سب کا اجماع ہے کہ تکبیر اولی کے ساتھ رفع یدین ہے اور دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں ہے۔ رکوع کی تکبیر اور اُٹھنے کی تکبیر کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے کہا ان دونوں تکبیروں کا حکم تکبیر اولی جیسا ہے۔ جیسے تکبیر اولی میں رفع الیدین ہے، ایسے ہی ان میں بھی رفع یدین ہے اور دوسری قوم نے کہا کہ ان تکبیروں کا حکم سجدوں کی دونوں تکبیروں کے حکم جیسا ہے۔ تو جیسے اس میں رفع یدین نہیں ایسے ہی ان میں بھی رفع یدین نہیں ہے۔

ہم نے دیکھا کہ تکبیر اولی رکن نماز سے ہے اور اس کے بغیر نماز کفایت نہیں کرتی اور دونوں سجدوں کی تکبیریں ایسے نہیں ہے۔(یعنی اُن کو چھوڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی) اور تکبیر رکوع اور تکبیریں نھوض یہ رکنِ نماز سے نہیں ہے اور ان کو چھوڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہ دونوں نماز کی سنتوں سے ہے پس جب یہ دونوں سننِ نماز سے ہے جیسا کہ سجدوں کی تکبیریں نماز کی سنت ہے تو وہ دونوں اسی تکبیر کی طرح ہوئی جیسا اس تکبیر میں رفع یدین نہیں ایسے ہی ان میں بھی رفع یدین نہیں ہے۔

☆:اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطاب کو دیکھا کہ آپ پہلے تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے پھر نہ اٹھاتے۔

☆:ابو بکر بن عیاش نے کہا میں نے کبھی کسی فقیہ کو نہ دیکھا جو تکبیر اولی کے علاوہ ہاتھ اٹھاتاہ

بَابُ التَّطْبِيقِ فِي الرُّكُوعِ

تطبیق کی تعریف

تطبیق یہ ہے کہ رکوع میں دونوں ہاتھوں کو ملا کر (جوڑ کر) دونوں ہاتھ گھٹنوں / رانوں کے درمیان رکھنا۔

مذہب اول

اسود، علقمہ، ابراہیم نخعی، ابوعبیدہ: یہ حضرات رکوع میں تطبیق کے قائل ہیں۔

دلیل

علقمہ اور اسد سے روایت ہے کہ وہ دونوں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے پس ابن مسعود نے فرمایا کیا یہ (امراء، تابعین) تمہارے پیچھے نماز پڑھتے ہیں؟ پس ان دونوں نے کہا: ہاں پس ابن مسعود ان دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور ایک کو بائیں اور دوسرے کو دائیں رکھا پھر ہم نے رکوع کیا پس ہم نے اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے آپ نے ہمارے ہاتھوں پر مارا اور تطبیق کی پھر ابن مسعود نے اپنے ہاتھوں کی تطبیق کی پس دونوں ہاتھوں کو اپنی دونوں رانوں کے درمیان رکھا اور جب نماز پڑھ لی تو فرمایا ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

مذہب ثانی

ائمہ اربعہ اور ان کے اصحاب، حسن بصری، سفیان ثوری: انہوں نے کہا کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھے ان کو پکڑنے والے کی طرح اور اپنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ رکھے۔

دلیل

1: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنوں کو چھوو پس تمہارے لیے سنت گھٹنے ہیں۔

2: حَدَّثَنَا ابْنُ مَرْزُوقٍ، قَالَ: ثنا عَفَّانُ، قَالَ: ثنا هَمَّامٌ، قَالَ: ثنا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ، قَالَ: ثنا سَالِمٌ الْبَرَّادُ، قَالَ: "وَكَانَ عِنْدِي أَوْثَقَ مِنْ نَفْسِي قَالَ: قَالَ لَنَا أَبُو مَسْعُودٍ الْبَدْرِيُّ: "أَلَا أُرِيكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ حَدِيثًا طَوِيلًا، قَالَ: ثُمَّ رَكَعَ فَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، وَفُصِّلَتْ أَصَابِعُهُ عَلَى سَاقَيْهِ

ترجمہ: ابو مسعود بدری نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ کی نماز نہ دکھاؤں پس انہوں نے طویل حدیث ذکر کی، فرمایا پھر آپ

رضی اللہ عنہ نے رکوع کیا پس اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اور آپ کی انگلیوں کا اگلا حصہ آپ کی پنڈلی پر تھا۔

3: حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: ثنا يُوسُفُ بْنُ عَدِيٍّ، قَالَ: ثنا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ، وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ»

مخالف کی دلیل کا جواب

مصعب بن سعد نے کہا میں نے سعد (ان کے والد) رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی پس جب میں نے رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو تطبیق کی پس سعد رضی اللہ عنہ نے مجھے منع کیا اور فرمایا ہم یہ (تطبیق) کیا کرتے تھے حتی کہ ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔

اس حدیث سے تطبیق کا منسوخ ہونا ثابت ہو گیا۔ (امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود نے تطبیق کی ہے آپ کے علاوہ دیگر صحابہ اور اہل علم کے ہاں تطبیق منسوخ ہے)

نظر طحاوی

ہم نے دیکھا کہ تطبیق میں ہاتھوں کو ملانا ہے۔ اور ہم نے دیکھا کہ وضع الیدین علی الرکبتین میں ہاتھوں کو جدا رکھنا ہے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ اس طرح کے افعال کا حکم دیکھیں کہ نماز میں کیسے ہو گا؟ پس ہم نے دیکھا کہ نبی کریم سے سنت یہ مروی ہے کہ رکوع اور سجود میں اعضاء کو الگ الگ رکھنا۔ اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ پس یہ تفریق اعضاء سے ہوا۔ اور جیسا کہ وہ شخص جو نماز میں قیام کرے تو اس کو حکم ہے کہ وہ دونوں پاؤں کے درمیان ترویحہ کرے۔ (یعنی کبھی اِس پاؤں پر وزن دے کبھی اُس پر) پس یہ بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے جیسا کہ تطبیق بھی ان سے ہی مروی ہے جب ہم نے دیکھا تفریق اعضاء کو کہ بعض اعضاء کو بعض اعضاء سے الگ الگ رکھنا زیادہ اولی ہے بعض اعضاء کو بعض اعضاء کے ساتھ ملانے سے۔ اور فقہاء کا اختلاف ہے رکوع میں اعضاء کو ملانے اور جدا رکھنے میں۔ تو اس پر قیاس یہ ہے کہ ان کے درمیان اختلافی مسئلہ کو عطف کیا جائے (قیاس کیا جائے) اجماعی مسئلہ پر پس جو ہم نے ذکر کیا اس میں تفریق اعضاء افضل ہے تو بقیہ اعضاء میں بھی ایسے ہی تفریق افضل ہے۔

بَابُ مِقْدَارِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ الَّذِي لَا يُجْزِئُ أَقَلُّ مِنْهُ

مذہب اول

امام احمد کا مشہور قول اور اہل ظواہر: ان کے نزدیک رکوع اور سجود کی ادنیٰ مقدار جو ضروری ہے اس کے بغیر نماز کفایت نہ کرے گی۔ اور وہ تین مرتبہ **سُبۡحَانَ رَبِّیَ العظیم** کی مقدار ہے۔

دلیل

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا۔ اور یہ رکوع کی ادنیٰ مقدار ہے۔ اور جب اپنے سجدے میں تین بار سبحان ربی الاعلی کہے تو اس کا سجدہ مکمل ہو گیا۔ اور یہ اس کی ادنیٰ مقدار ہے۔

احناف، امام مالک، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہم

انہوں نے کہا کہ رکوع کی مقدار یہ ہے کہ نمازی رکوع کرے حتی کہ رکوع میں وہ سیدھا ہو جائے۔ اور سجدہ کرے تو سجدے میں اطمینان حاصل کر لے۔ پس یہ رکوع و سجود کی ادنیٰ مقدار ہے جو کہ ضروری ہے۔

دلیل

علی بن یحیی اپنے چچا رفاعہ بن رافع سے روایت کرتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے پس ایک شخص داخل ہوا۔ اس نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے دیکھ رہے تھے۔ پس آپ علیہ السلام نے فرمایا: جب تو اپنی نماز میں کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر اگر تجھے قرآن یاد ہو تو قرأت کر اور اگر یاد نہ ہو تو اللہ کی حمد کر، تکبیر کہہ، تہلیل کر، پھر رکوع کر، حتیٰ کہ تجھے رکوع کی حالت میں اطمینان حاصل ہو جائے، پھر کھڑا ہو حتیٰ کہ سیدھا کھڑا ہو جائے، پھر سجدہ کر حتیٰ کہ سجدے کی حالت میں تجھے اطمینان حاصل ہو جائے، پھر بیٹھ حتیٰ کہ بیٹھنے کی حالت میں تجھے اطمینان حاصل ہو جائے، جب تو یہ کرلے تو تیری نماز مکمل ہے اور جو تو ان سے کمی کرے گا تو بے شک اپنی نماز سے کمی کرے گا۔

پس اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض کی خبر دی ہے۔ جس کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر نماز نامکمل ہے۔ پس ہم نے جان لیا جو اس کے علاوہ ہے اُس کے ذریعہ سے اِس کی ادنیٰ مقدار کا ارادہ کیا گیا ہے جس سے فضل تلاش کیا جائے یہی قول احناف کا ہے۔ ☆: پہلے مؤقف والوں کی حدیث منقطع ہے۔

بَابُ مَا يَنبَغِي أَنْ يُقَالَ: فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

امام شافعی، امام احمد

ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں کہ آدمی اپنے رکوع و سجود میں جو چاہے دعا کرے۔ ان کے نزدیک ان میں کوئی شے ء معین نہیں ہے۔

دلیل

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے منع کیا گیا ہے کی میں رکوع و سجود میں قرأت کروں۔ بہر حال رکوع تو اس اپنے رب کی عظمت (بزرگی) بیان کرو اور سجدوں میں دعا میں کوشش کرو۔ پس یہ لائق ہے کہ تمہارے لئے قبول کی جائے

اس کے علاوہ دیگر احادیث حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس رضی اللہ عنہم جن کے راوی ہیں۔ جن میں مختلف ثناء کے کلمات اور دعاؤں کا ذکر ہے۔

احناف

احناف، ابراھیم نخعی، حسن بصری، ایک روایت کے مطابق امام احمد: یہ کہتے ہیں نمازی کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ رکوع میں سبحان ربّی العظیم پر زیادتی نہ کرے اور اس تسبیح کو جتنی دفعہ چاہے کہے اور تین بار سے کم نہ کرے اور ایسے ہی سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ پر زیادتی نہ کرے اس تسبیح کو جتنی دفعہ چاہے کہے اور تین بار سے کم نہ کرے (علامہ عینی فرماتے ہیں: کہ 12 بار سے زیادہ نہ کہے اور ہدایہ کی بعض شروحات کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ 7 بار سے زیادہ نہ کہے)

دلیل

1: عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا جب یہ آیت (فسبح بأسم ربك العظيم) نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو اپنے رکوع میں رکھو (کہو) اور جب یہ آیت (سبح اسم ربك الأعلى) نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسے اپنے سجود میں رکھو (کہو)

مذہب اوّل والوں کو جواب:

ممکن ہے کہ پہلے آثار میں نبی کریم ﷺ سے جو منقول ہے وہ ان دونوں آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے کا فعل ہے۔ پس جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ کہنے کا حکم دیا ہو۔ پس آپ کا حکم دینا ناسخ ہے اس کا جو فعل پہلے مذکور ہوا۔

امام مالک

امام مالک اور ان کے متبعین، فقہاء اور عبد اللہ بن مبارک یہ کہتے ہیں کہ رکوع میں تو ربّ کی تعظیم پر زیادتی نہ کی جائے۔ بہر حال سجود اس میں دعا کی کوشش کرو۔

انہوں نے دلیل پکڑی حدیث علی اور ابن عباس کے ساتھ

انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اس قول (فأما الركوع فعظموا فيه الرب) کو ناسخ بنایا ہے اس سے پہلے والے افعال کا۔

اس کا جواب

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس میں احتمال ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو رکوع میں تعظیم اور سجدے میں دعا کرنے کا حکم دیا ہو۔ ان دونوں آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے (جو حدیث عقبہ میں مذکور ہیں) پس جب یہ آیات نازل ہوئیں تو تب آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ سجدوں میں رک جائیں۔ اس پر جو حدیث عقبہ میں مذکور ہوا۔ پس یہ حدیث ناسخ ہے پہلے افعال کی۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ اس آیت (فسبح باسم ربك العظيم) کے نزول کے وقت جو صحابہ کو حکم دیا وہ ناسخ ہے اس کا جو فعل پہلے گزرا۔

اعتراض

اگر کہنے والا یہ کہے کہ آپ ﷺ کا یہ قول (فأما الركوع فعظموا فيه الرب) قربِ وفات کا ہے کیونکہ ابن عباس کی حدیث میں ہے (رسول اللہ ﷺ نے پردہ اٹھایا تو صحابہ حضرت ابو بکر کی اقتدا میں صفیں باندھیں نماز پڑھ رہے تھے) (تو آپ نے یہ فرمایا) تو نبی پاک ﷺ کا یہ قول مؤخر ہوا تو یہ منسوخ کیسے ہو سکتا ہے۔

جواب

قِيلَ لَهُ: فَهَلْ فِي هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ تِلْكَ الصَّلَاةُ الَّتِي تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَقِبِهَا أَوْ أَنَّ تِلْكَ الْمِرْضَةَ، هِيَ مِرْضَتُهُ الَّتِي تُوُفِّيَ فِيهَا؟ لَيْسَ فِي الْحَدِيثِ مِنْ هَذَا شَيْءٌ

اس کو کہا جائے گا: کہ کیا حدیث پاک میں یہ ہے کہ اس نماز کے بعد آپ ﷺ کا وصال ظاہری ہو گیا۔ یا کیا یہ وہ والا مرض ہے جس میں آپ کا وصال ظاہری ہوا۔ اس حدیث پاک میں ایسا کچھ نہیں ممکن ہے کہ یہ وہ نماز ہو جس کہ بعد آپ کا وصال ظاہری ہوا۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہ نماز نہ ہو، بلکہ اس کہ بعد آپ ﷺ صحت یاب ہو گئے ہوں۔ پس اگر یہ نماز ہے جس کے بعد آپ ﷺ کا وصال ظاہری ہوا ممکن ہے کہ یہ آیت (**فسبح باسم ربك العظيم**) اس کے بعد اور وفات ظاہری سے پہلے نازل ہوئی ہو۔ اگر یہ نماز وصال ظاہری سے پہلے کی ہے تو پھر زیادہ لائق ہے کہ یہ آیت اس کے بعد نازل ہوئی ہو۔

بَابُ الْإِمَامُ يَقُولُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ هَلْ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَقُولَ بَعْدَهَا رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ أَمْ لَا؟

امام اعظم

امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، ایک روایت کے مطابق امام احمد: یہ کہتے ہیں کہ امام صرف تسمیع (**سمع اللہ لمن حمدہ**) کہے گا اور تحمید (**ربنا لک الحمد**) نہیں کہے گا اور مقتدی صرف تحمید کہے گا۔

دلیل

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب امام **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے تو تم **ربنا لک الحمد** کہوں جس کا قول ملائکہ کے قول کے موافق ہو گیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اس میں دلیل ہے کہ امام تسمیع کہے گا نہ کہ مقتدی اور مقتدی تحمید کہے گا نہ کہ امام۔

شوافع

امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد ، امام احمد قول مشہور کے مطابق: یہ کہتے ہیں کہ امام دونوں (تسمیع و تحمید) کہے گا اور مقدی خاص **ربنا لک الحمد** کہے گا۔

مذہب اول کا جواب

(مذہب ثانی) انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول (**إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ, فَقُولُوا: اللهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ**) اس میں یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ مقتدی تحمید کہہ سکتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں کہہ سکتا اگر ایسا ہو تو مقتدی نہیں ہے اس کا یہ کہنا محال ہو گا۔ تحقیق ہم نے تمہیں دیکھا کہ تم متفق ہوں اس بات پر کے منفرد تسمیع کے ساتھ تحمید بھی کہے گا وہ مقتدی نہیں ہے اور وہ تسمیع و تحمید دونوں کہے گا اور حدیث سے اس کی نفی نہیں کرتی تو ایسے ہی امام بھی تسمیع و تحمید دونوں کہے گا اور حدیث سے بھی اس کی نفی نہیں کرتی۔

دلیل

1: حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو کہتے «**اللهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَاءِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ**»

ابن عباس ابن ابی اوفی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے بھی اس کی مثل حدیث مروی ہے۔

کلامِ طحاوی

ان آثار نے میں یہ نہیں ہے کہ آپ علیہ السلام نے امام ہونے کی حالت میں یہ کہا، نہ ہی ان میں ایسی کوئی دلالت ہے ہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو منفرد ہے وہ **سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد** کہے گا ہم نے ارادہ کہ ہم دیکھیں کیا کوئی روایت اس کے علاوہ ایسی موجود ہے؟

2: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں سرج گہن ہو گیا تو آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پس جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو کہا **سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لک الحمد**۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے امام ہونے کی حالت میں تسمیع و تحمید دونوں کہے تو ثابت ہوا کہ امام بھی تسمیع و تحمید دونوں کہے گا آپ علیہ السلام اتباع کرتے ہوئے۔

کلام طحاوی

ہم نے دیکھا کہ منفرد کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ تسمیع و تحمید دونوں کہے گا تو ہم نے ارادہ کیا کہ اس کے بارے میں میں امام کا حکم منفرد کے حکم جیسا ہے یا نہیں؟

ہم نے دیکھا کہ امام اپنی تمام نماز میں تکبیر، قرات، قیام، قعود، تشہد وغیرہ افعال منفرد کی مثل کرتا ہے تو ہم نے پایا کہ امام پر اس کی نماز میں اس پر جو احکامات جاری ہوتے ہیں وہ منفرد جیسے ہیں جیسا کہ وہ چیزیں جو نماز کے فساد کو واجب کرتی ہیں یا سجدہ سہو وغیرہ واجب کرتی ہیں تو امام اور منفرد اس میں برابر ہوتے ہیں بخلاف مقتدی کے۔ تو جب فقہاء مجتہدین کے اجماع سے ثابت ہے کہ منفرد تسمیع کے بعد تحمید کہے گا تو ثابت ہوا کہ امام بھی تسمیع کے بعد تحمید کہے گا۔

بَابُ الْقُنُوتِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَغَيْرِهَا

امام شافعی

امام شافعی، امام احمد، امام مالک، اہل ظواہر: یہ کہتے ہیں کہ فجر میں قنوت پڑھی جائے گی پھر ان میں بھی دو گروہ ہیں۔

1: امام شافعی امام احمد اہل ظواہر ان کے نزدیک رکوع کے بعد قنوت پڑھیں گے۔ان کی دلیل ابو ہریرہ ابن عمر عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی احادیث ہیں۔

2: امام مالک کے نزدیک رکوع سے پہلے قنوت پڑھیں گے ان کی دلیل عن عاصم عن انس والی حدیث ہے۔

دلائل

1: سعید اور ابو سلمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو فرماتے ہوئے سنا آپ علیہ السلام جب نماز فجر میں قرات سے فارغ ہوتے اور تکبیر کہتے اور اپنا سر اٹھاتے اور فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اور قیام کی حالت میں کہتے («اللهُمَ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ, وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ, وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ, وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ, اللهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ, وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ كَسِنِي يُوسُفَ, اللهُمَّ الْعَنْ لِحْيَانَ وَرِعْلًا وَذَكْوَانَ, وَعُصَيَّةَ, عَصَتِ اللهَ وَرَسُولَهُ»)

2: ابن عمر سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کے نماز کی دوسری رکعت میں سنا جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا فرمایا ربنا لک الحمد پھر کہا (اللهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا عَلَى نَاسٍ مِنَ الْمُنَافِقِينَ) منافقین میں سے کچھ لوگوں پر پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ({لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ} [آل عمران: 128]")

3: عبد الرحمن بن ابی بکر سے روایت ہے فرمایا جب آپ علیہ السلام دوسری رکعت سے سر اٹھاتے تو کہتے («اللهُمَّ أَنْجِ». ثُمَّ ذَكَرَ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ فِي أَوَّلِ هَذَا الْبَابِ) انہوں نے یہ زیادہ کیا: پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی ({لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ} [آل عمران: 128]) فرماتے ہیں پس آپ علیہ السلام نے کسی کے خلاف دعائے ضرر نہ فرمائی۔

4: براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر اور مغرب میں قنوت پڑھتے تھے۔

5: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا آپ علیہ السلام نے تیس دن قنوت پڑھی۔

6: خفاف بن ایماء سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے پھر اپنا سر مبارک اٹھاتے پس فرماتے («غِفَارُ غَفَرَ اللهُ لَهَا وَأَسْلَمُ سَالَمَهَا اللهُ وَعُصَيَّةُ, عَصَتِ اللهَ وَرَسُولَهُ, اللهُمَّ الْعَنْ بَنِي لِحْيَانَ, اللهُمَّ الْعَنْ رِعْلًا وَذَكْوَانَ, اللهُ أَكْبَرُ) پھر سجدے میں چلے جاتے۔

7: حضرت عاصم سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ رکعت کے بعد قنوت پڑھی میں (عاصم) نے عرض کی قنوت کیسے پڑھتے؟ فرمایا رکوع سے پہلے۔

ایک اور روایت میں آپ علیہ السلام نے ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی پس آپ عرب کے قبیلوں میں سے کسی قبیلے کے خلاف دعا ضرر فرماتے پھر اسے ترک کر دیا۔

احناف

احناف حضرت ابراہیم نخعی: فجر میں اصلا قنوت نہیں ہے نہ رکوع سے پہلے نہ رکوع کے بعد۔

مذہب اول کے دلائل کا جواب

1: عبد اللہ بن مسعود

ابن مسعود کی جو روایت پیچھے بیان کی وہ ان سے مروی ہے لیکن ان سے اس کے بر خلاف بھی مروی ہے۔

حدیث: ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصبہ اور ذکوان پر دعا ضرر فرماتے پس جب ان پر غلبہ ہو گیا تو قنوت ترک کر دی اور ابن مسعود صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑھتے۔

کلامِ طحاوی

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ابن مسعود خبر دے رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قنوت پڑھنا یہ دعائے ضرر کرنے کی وجہ سے تھی اور تحقیق آپ نے اس کو ترک کر دیا پس یہ قنوت منسوخ ہو گئی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد والے قنوت نہ پڑھتے تھے۔

2: عبد اللہ بن عمر

تحقیق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی قنوت پڑھنے کی روایت مروی ہے پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ اللہ تعالی نے اس کو منسوخ کر دیا جب اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی ({لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ} [آل عمران: 128])

پس ابن عمر کے نزدیک بھی یہ منسوخ ہے۔

حدیث: ابو مجلز سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عمر کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی تو آپ نے قنوت نہ پڑھی تو میں نے عرض کی کیا بڑھاپے نے آپ کو منع کیا تو آپ نے فرمایا میں نے صحابہ میں سے کسی ایک سے بھی یہ یاد نہ کیا۔

3: عبد الرحمن بن ابی بکر

آپ رضی اللہ انہوں نے جو روایت کی ہے اس میں آپ نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت پڑھی دعائے ضرر کے لئے اور خبر دی کہ اللہ عزوجل نے اس کو منسوخ کر دیا اپنے اس فرمان کے ساتھ {لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ} [آل عمران: 128]

4: خفاف بن ایماء

پس ان کی حدیث پاک میں بھی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت کی جن پر ابن عمر اور عبد الرحمن بن ابی بکر کی حدیث میں ہے۔ اور ان دونوں ابن عمر اور عبد الرحمن بن ابی بکر نے اپنی احادیث کے بارے میں خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ترک کر دیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

پس جیسے ان کی حدیث منسوخ ہونا ثابت ہے ایسے ہی خفاف بن ایماء کی حدیث میں بھی منسوخ ہونا ثابت ہے ہے پس ان دونوں کی حدیث ایک خفاف بن ایماء کی حدیث سے اولیٰ ہے اور اس میں بھی قنوت کا ترک ایسے ہی واجب ہے۔

5: براء بن عازب

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر اور مغرب میں قنوت پڑھتے تھے۔ اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے قنوت کی خبر نہیں دی کہ وہ کیا ہے ممکن ہے کہ یہ وہی قنوت ہو جو ابنِ عمر اور عبد الرحمن بن ابی بکر والی حدیث میں ہے۔ پھر یہ بھی اسی آیت کے ذریعہ منسوخ ہو گئی۔ اور انہوں نے فجر اور مغرب کو ملایا ہے اور ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں قنوت پڑھی۔ ہمارے مخالف کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ مغرب میں منسوخ ہے کسی نے بھی اس کے بعد نہیں کہی تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ فجر میں بھی ایسے ہی منسوخ ہے۔

6: انس بن مالک

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرویات میں اضطراب ہے کیونکہ ان کی ایک روایت میں ہے کہ ایک دن رکوع سے پہلے پڑھی اور ایک دن رکوع کے بعد پڑھی اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک ماہ پڑھی اور ایک اور روایت میں ہے کہ بیس دن پڑھی اور ایک اور روایت میں ہے کہ ہمیشہ پڑھی لہٰذا ان کی حدیث سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔

بعض صحابہ کرام اصلاہی قنوت کا انکار کرتے

حدیث: ابومالک الا شجعی سعد بن طارق نے فرمایا: میں نے اپنے والد سے عرض کی کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور حضرت ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی اور حضرت عثمان کے پیچھے اور حضرت علی کے پیچھے نماز پڑھی کوفہ ہمیں پانچ سال۔ کیا وہ فجر میں قنوت پڑھتے تھے فرمایا اے میرے بیٹے یہ نئی ایجاد ہے۔

آثار صحابہ

حدیث: عبید بن عمیر سے مروی ہے ہے فرمایا میں نے حضرت عمر کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی پس آپ نے اس میں رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور اپنی قنوت میں پڑھا(«اللھُمَ إنَّا نَستَعِینُکَ وَنَستَغفِرُکَ, وَنُثنِي عَلَیکَ الْخَیرَ کُلَّهُ وَنَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَترُکُ مَنْ یَفْجُرُکَ اللھُمَّ إیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّي, وَنَسجُدُ وَإلَیکَ نَسعَی وَنَحفِدُ نَرْجُو رَحْمَتَکَ وَنَخْشَی عَذَابَکَ إنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ»)

حضرت عمر سے اس کے خلاف بھی مروی ہے:

حدیث: اسود سے روایت ہے کہ حضرت عمر صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت عمر میں بسا اوقات قنوت کو پڑھا اور بعض اوقات قنوت کو نہ پڑھا۔

حدیث: زید بن وہب سے مروی ہے فرمایا حضرت عمر بسا اوقات قنوت پڑھتے تھے۔

پس مذکورہ حدیث میں حضرت زید نے خبر دی کہ حضرت عمر بعض اوقات قنوت پڑھتے اور بعض اوقات قنوت نہ پڑھتے۔

ہم نے ارادہ کیا کہ ہم دیکھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کب قنوت پڑھتے اور کس وجہ سے پڑھتے۔

اسود سے روایت ہے فرمایا حضرت عمر جب جنگ کی حالت میں ہوتے تو قنوت پڑھتے اور جب جنگ کی حالت میں نہ ہوتے تو قنوت نہ پڑھتے۔

کلامِ طحاوی

پس اسود رضی اللہ عنہ نے وہ وجہ علت بتائی جس کی وجہ سے حضرت عمر قنوت پڑھتے اور دشمن کے خلاف دعائے ضرر فرماتے اور مدد طلب کرتے (وہ علت جنگ ہے) جیسا کہ آپ علیہ السلام نے کیا جب صحابہ کو شہید کیا گیا پس جب یہ آیت (﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ [آل عمران: 128]) نازل ہوئی تو آپ نے کسی کے خلاف دعائے ضرر نہ فرمائی۔ پس یہ آیت عبد الرحمن بن ابی بکر اور عمر کے نزدیک قنوت فی الفجر کی ناسخ ہے لیکن حضرت عمر کے

نزدیک جنگ کی حالت میں ناسخ نہیں ہے اور عدمِ جنگ کی حالت میں ناسخ ہے مگر اس سے اس کا قول باطل ہونا تو ثابت ہو جاتا ہے جو کہتا ہے کہ ہمیشہ فجر میں قنوت پڑھی جائے گی۔

2: ابراہیم سے روایت ہے فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں فجر میں قنوت پڑھتے تھے کیونکہ آپ جنگ کی حالت میں ہوتے پس آپ فجر اور مغرب میں قنوت کے اندر دشمنوں کے خلاف دعائے ضرر فرماتے۔

ثابت ہو گیا کہ حضرت علی کا بھی وہی مذہب ہے جو حضرت عمر کا ہے۔

3 سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ابن عباس فجر میں قنوت نہ پڑھتے۔

4 علقمہ روایت ہے فرمایا عبد اللہ بن مسعود فجر میں قنوت نہ پڑھتے۔

5 نافع سے ابن عمر کے متعلق روایت ہے کہ ابن عمر کسی نماز میں قنوت نہ پڑھتے۔

6 عمرو بن دینار نے کہا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی تو آپ قنوت نہ پڑھتے۔

نظر طحاوی

ہم نے جو ان سے روایت کیا کہ جن نمازوں میں کسی وجہ سے قنوت پڑھتے تھے وہ نمازیں فجر اور مغرب ہیں۔ علاوہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے اس میں عشاء کا بھی ذکر ہے تو اس میں ایک احتمال ہے کہ وہ مغرب ہی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ عشاء ہو۔

اور ہمیں ان میں سے کسی کے متعلق معلوم نہیں کہ انہوں نے جنگ یا جنگ کے علاوہ ظہر یا عصر میں قنوت پڑھی ہو۔ پس جب ان دونوں نمازوں میں قنوت نہیں ہے نہ جنگ میں نہ جنگ کے علاوہ اور فجر مغرب عشاء میں عدم جنگ کی حالت میں قنوت نہیں تو ثابت ہوا کہ ان 3 نمازوں میں حالت جنگ میں بھی قنوت نہیں ہے۔

ہم نے دیکھا وتر کو اس میں اکثر فقہاء کے نزدیک تمام زمانہ میں قنوت ہے اور بعض کے نزدیک خاص رمضان کی نصف شب پس وہ سب وتر میں قنوت پڑھتے آتے ہیں اس نماز کی وجہ سے نہ کہ جنگ یا عدم جنگ کی وجہ سے۔

بَابُ مَا يُبْدَأُ بِوَضْعِهِ فِي السُّجُودِ, الْيَدَيْنِ أَوِ الرُّكْبَتَيْنِ؟

امام مالک، امام اوزاعی

ان کے نزدیک سجدے میں جاتے ہوئے گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھے جائیں گے۔

دلیل

1: نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابن عمر سجدے میں جاتے تو اپنے گھٹنوں سے پہلے ہاتھ کو رکھنے سے ابتدا کرتے اور فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے۔

2: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک سجدہ کرے تو اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے لیکن وہ پہلے اپنے ہاتھ رکھے پھر اپنے گھٹنے رکھے۔

حدیث ابو ہریرہ پر کلام

فقہاء کے ایک گروہ نے کہا یہ کلام (فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ) محال ہے۔

کیوں کہ حدیث کے اول حصے کے اندر اونٹ کے بیٹھنے کی طرح بیٹھنے سے منع کیا گیا اور پھر فرمایا (وَلٰكِنْ يَضَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ رُكْبَتَيْهِ»)۔ یہاں پر اونٹ کے طرح کرنے کا حکم دیا جارہا ہے کیوں کہ اونٹ اپنے ہاتھوں پر بیٹھتا ہے پس اس میں پہلے منع کیا جا رہا ہے پھر اسی کا حکم دیا جارہا ہے۔

امام طحاوی کا جواب

اس حدیث پاک کی تصحیح ہے کہ اونٹ کے گھٹنے اس کے ہاتھوں میں ہے اور باقی جانوروں کے بھی ایسے ہی ہے۔ اور انسانوں کا ایسے نہیں ہے۔ پس آپ نے فرمایا کہ گھٹنے پر نہ بیٹھو جو ٹانگوں میں ہیں جیسا کہ اونٹ ان گھٹنوں پر بیٹھتا ہے جو اس کے ہاتھوں میں ہے۔ پس فرمایا کہ آدمی پہلے ہاتھوں کو رکھے گا جو اس کے گھٹنوں میں نہیں ہیں پھر اپنے گھٹنوں کو رکھے گا تو اب جو وہ کرے گا وہ اونٹ کے برخلاف کرے گا۔

احناف و شوافع

امام اعظم، امام شافعی اور اصح قول کے مطابق امام احمد انہوں نے اس معاملہ میں اول قول والوں کی مخالفت کی ہے۔ انہوں

نے فرمایا کی پہلے گھٹنے رکھے گا پھر اپنے ہاتھ رکھے گا۔

دلیل

1: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھوں سے ابتدا کرتے

2: حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں سے ابتدا کرتے۔

نظر فی الاحادیث

حضرت ابو ہریرہ کی مرویات مختلف ہیں لہذا ان سے استدلال اٹھ گیا لہذا جو حضرت وائل سے روایت ہے اس سے حکم ثابت ہو گیا۔

نظر طحاوی

ہم نے دیکھا کہ سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ حدیث: عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کو سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا چہرے پر دونوں ہتھیلیوں پر اور دونوں گھٹنوں پر اور دونوں قدموں پر ان میں سے کوئی واقعہ نہ ہو تو نماز ناقص ہے۔

ہم دیکھیں ان اعضاء کا حکم جن پر اتفاق ہے تا کہ اس کا حکم معلوم ہو جس پر اختلاف ہے۔

تو ہم نے دیکھا کہ جب بندہ سجدہ کرے تو دونوں اعضاء میں ایک رکھے گا یا تو گھٹنے رکھے گا یا ہاتھ رکھے گا پھر ان دونوں کے بعد سر رکھے گا۔ اور ہم نے دیکھا کہ جب وہ اٹھے گا تو سر سے ابتداء کرے گا اور سر اٹھانے میں مقدم ہے اور رکھنے میں موخر ہے۔ پھر سر اٹھانے کے بعد ہاتھوں کو اٹھائے گا پھر گھٹنوں کو اٹھائے گا اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ تو ہم نے جو سر کا حکم بیان کیا اس پر قیاس یہ ہے کہ جب سر رکھنے میں مؤخر ہے اور اٹھانے میں مقدمہ ہو گا تو ہاتھ بھی ایسے ہی ہوں گے کہ جب اٹھانے میں ہاتھ گھٹنوں پر مقدم ہے تو رکھنے میں مؤخر ہوں گے۔ پس اس سے حضرت وائل کی رویت ثابت ہو گئی۔ بس یہی قیاس ہے اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں اور یہی امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد کا قول ہے۔

نظر طحاوی کی تائید میں حدیث پاک

حضرت علقمہ اور اسود سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمر کے نماز کو یاد کیا کہ آپ رکوع کے بعد اپنے گھٹنوں پر سجدہ کرتے جیسا کہ اونٹ کرتا ہے اور آپ ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو رکھتے۔

بَابُ وَضْعِ الْيَدَيْنِ فِي السُّجُودِ, أَيْنَ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ؟

امام شافعی، امام احمد

ان کے نزدیک نمازی کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ سجدے میں اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر رکھے۔

دلیل

عباس بن سعد سے روایت ہے فرمایا اب حمید ابو اسید سہل بن سعد رضی اللہ عنہم جمع ہوئے پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کا ذکر کیا تو ابو حمید نے کہا میں تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کا جاننے والا ہو آپ علیہ السلام جب سجدہ کرتے تو اپنی ناک اور پیشانی جماتے اور اپنے ہاتھوں کو کروٹوں سے جدا رکھتے اور اپنے ہتھیلیاں کندھوں کے برابر رکھتے۔

احناف

احناف اور سعید بن جبیر: ان کے نزدیک یہ ہے کہ نمازی سجدے میں اپنے ہاتھ اپنے کانوں کے برابر رکھے گا۔

دلیل

1: وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سجدہ کرتے تو ان کے ہاتھ کانوں کے برابر ہوتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا چہرہ آپکی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان ہوتا۔ 2: ابو اسحاق حضرت براء بن عازب سے روایت کرتے ہیں انہوں نے براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ سے سوال کیا جب آپ علیہ السلام نماز پڑھتے تو اپنی پریشانی کہاں رکھتے تو فرمایا دونوں ہتھیلیوں کے درمیان۔

کلامِ طحاوی

ہر وہ جس کا مذہب یہ ہے کہ نماز کے شروع میں ہاتھ کندھوں تک اٹھائیں جائیں گے ان کے نزدیک سجدے میں بھی ہاتھ کندھوں کے برابر رکھے جائیں گے اور ہر وہ جس کا یہ مذہب ہے کہ نماز کے شروع میں ہاتھ کانوں کے برابر تک اٹھائے جائیں گے ان کے نزدیک سجدے میں بھی کانوں کے برابر ہاتھ رکھے جائیں گے۔ اور پہلے گزر چکا کہ جس کا مذہب کانوں کے برابر کا ہاتھ اٹھانے کا تھا اس کے قول کی تصحیح ہو چکی تو اس کے ساتھ اس کا مذہب ثابت ہو گیا جس کے نزدیک سجدے میں کانوں کے برابر ہاتھ رکھے جائیں گے۔ یہی قول احناف کا ہے۔

بَابُ صِفَةِ الْجُلُوسِ فِي الصَّلَاةِ, كَيْفَ هُوَ؟

امام مالک

امام مالک یحیی بن سعید عبد الرحمن بن قاسم ان کے نزدیک تمام نماز میں قاعدہ اس طرح ہوگا کہ آدمی اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں موڑ دے اور زمین پر بیٹھے (سرین پر)

1: امام مالک یحییٰ بن سعید سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ قاسم بن محمد نے انہیں نماز میں بیٹھنا سکھایا پس آپ نے اپنا دایاں پاؤں کھڑا کیا اور بایاں پاؤں موڑ دیا اور اپنی بائیں سرین پر بیٹھے اور اپنے قدموں پر نہ بیٹھے پھر فرمایا کہ مجھے عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر نے سکھایا اور کہا کہ ان کے والد ابن عمر عمر اسی طرح کرتے تھے۔

2: امام مالک بیان کرتے ہیں عبد الرحمن بن قاسم عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر نے عبد الرحمن بن قاسم کو خبر دی کے انہوں نے عبد اللہ بن عمر کو نماز میں چوکڑی مار کر بیٹھے ہوئے دیکھا فرماتے ہیں پس اس دن میں نے بھی ایسا کیا اور میں نو عمر تھا اس عبد اللہ بن عمر نے مجھے منع فرمایا کیا اور فرمایا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ کہ تو اپنا دایاں پاؤں کھڑا کریں کریں اور بایاں پاؤں موڑ دے میں نے کہا کہ آپ نے تو اس طرح کیا تھا فرمایا کہ میرے پاؤں مجھے نہیں اٹھا سکتے۔

امام شافعی، امام احمد

امام شافعی، امام احمد، اسحاق، انہوں نے کہا کے قعدہ اخیرہ میں تو ایسے ہی بیٹھیں گے جیسا تم نے کہا یعنی تورک کی حالت میں میں بہر حال قعدہ اولیٰ میں تو اس میں آدمی اپنے بائیں پاؤں کے اوپر بیٹھے گا۔

مذہب اول کے دلائل کا جواب

ابن عمر کا قول (ان سنة الصلاة) یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول سنت ہے ممکن ہے کہ ابن عمر نے آپ علیہ السلام کے بعد صحابہ کو یہ کرتے دیکھا ہو یا ان سے حدیث لی ہو اور اس کو سنت کہہ دیا کیونکہ آپ علیہ السلام نے فرمایا (علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المحدثین بعدی)۔

اس بات کی تائید کے نبی کریم کے علاوہ سے جو ثابت ہو اس کو بھی سنت کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ رضیہ نے سعید بن مسیب سے عورت کی انگلیوں کی دیت کے متعلق سوال کیا تو سعید بن مسیب نے کہا اے بھتیجے یہ سنت ہے حالانکہ یہ زید بن ثابت ہی سے مروی ہے تو سعید نے زید بن ثابت کے قول کو سنت کہہ دیا ایسے ہی احتمال ہے کہ ابن عمر نے سنت کہہ دیا حالانکہ اس بارے میں

آپ علیہ السلام سے کچھ بھی منقول نہ ہو۔

2: عبد اللہ بن عبد اللہ نے قاسم کو نماز میں بیٹھنے کا طریقہ سکھایا آیا اور عبد الرحمن بن قاسم نے عبد اللہ بن عبد اللہ سے ذکر کیا کہ جب عبد اللہ بن عبد اللہ نے اپنے والد ابن عمر کو کہاہاں (آپ نے تو ایسا کیا ہے تو فرمایا کہ میرے پاؤں مجھے اٹھا نہیں سکتے) تو اس کا معنی یہ ہوا اگر دونوں پاؤں مجھے اٹھا سکتے تو میں ان میں سے ایک پر بیٹھتا اور دوسرے کو کھڑا کرتا کیونکہ ابن عمر کا دونوں پاؤں کو ذکر کرنا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ آپ ایک پاؤں کو استعمال کرتے اور دوسرے کو نہیں بلکہ دونوں ہی استعمال کیے جاتے مجھے بس آپ ایک پر بیٹھتے اور دوسرے کو کھڑا کرتے پس یہ اس کے خلاف ہے جو یحیی بن سعید کی حدیث میں ابن عمر سے مروی ہے ہے (پس ابن عمر سے منقول دو روایتوں میں تضاد آ گیا تو ان سے دلیل پکڑنا ساقط ہو گیا)

حدیث

محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے فرمایا کہ کہ میں نے ابو حمید ساعدی کو دس صحابہ کرام کی جماعت میں یہ فرماتے ہوئے سنا ان میں سے ایک ابو قتادہ بھی تھے ابو حمید نے کہا میں تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کو جاننے والا ہوں انہوں نے کہا کہ کیسے سے نہ تو آپ نے ہم سے زیادہ آپ علیہ السلام کی پیروی کی اور نہ ہم سے زیادہ محبت بھائی آئی تو ابو حمید نے کہا کیوں نہیں تو صحابہ نے کہا پھر پیش کروں تو ابو حمید ساعدی نے ذکر کیا کہ آپ علیہ السلام قعدہ اولیٰ میں اپنا بایاں پاؤں موڑتے اور اس کے اوپر بیٹھتے حتی کہ جب وہ سجدہ ہوتا جس کے آخر میں اسلام ہوتا ہے تو آپ اپنا بایاں پاؤں موخر یعنی پیچھے کرتے اور اپنی بائیں طرف پر تبرک کی حالت میں بیٹھتے راوی فرماتے ہیں تو سب صحابہ نے کہا آپ نے سچ کہا۔

احناف

احناف، سفیان ثوری: ان کے نزدیک تمام نماز میں قاعدہ برابر ہو گا وہ اس طرح کے نمازی اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھادے اور اس کے اوپر بیٹھے

دلیل

وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے پیچھے نماز پڑھی میں نے کہا میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو یاد کروں گا فرماتے ہیں پس جب آپ تشہد کے لئے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھادیا پھر اس کے بعد اوپر بیٹھے اور بائیں ہتھیلی بائیں ران پر رکھی اور دائیں کلائی دائیں ران پر رکھی پھر اپنی انگلیوں کو جمع کیا اور وسطی اور ابہام کا حلقہ بنایا اور دوسری انگلی سے اشارہ کیا۔

مذہب ثانی کی دلیل کا جواب

امام طحاوی فرماتے ہیں ہیں کہ یہ حدیث حدیث وائل اور حدیثِ ابو حمید میں تضاد ہو گیا پس ہم دیکھیں گے ان میں سے کس کی

سند زیادہ صحیح ہے ابو حمید والی حدیث کی ایک سند اس طرح ہے:

"حدثنی محمد بن عمر بن عطاء قال حدثني رجل انه وجد عشرة من اصحاب النبی"

امام طحاوی فرماتے ہیں اہل سند اس طرح کی حدیث سے دلیل نہیں پکڑتے۔

سوال: اگر مذہب ثانی والے یہ کہے کہ یہ والی سند ابو حمید والی حدیث (جس کو ہم نے اپنی دلیل بنایا) کو کمزور نہیں کرتی کیونکہ اس سند میں عطاف بن خالد ہے جو کہ ضعیف ہے۔

جواب: ابو حمید والی حدیث جس کو تم نے اپنی دلیل بنایا اس میں بھی ایک راوی عبد الحمید ہے جس کو تم عطاف سے زیادہ ضعیف کہتے ہو ساتھ ہی ساتھ تم عطاف کی تمام روایات کو نہیں چھوڑتے تم گمان کرتے ہو ہو کہ اطاف کی پہلے والی روایت تمام کی تمام صحیح ہے۔ اور ان کے بعد والی حدیث میں کچھ شے پیدا ہو گئی تھی ایسے ہی یحیٰی بن معین نے اپنی کتاب میں کہا اور ابو صالح کا اس حدیث کا سماع عطاف سے یہ بہت پہلے کا ہے اور یہ روایت وہ ہے جس کو یاحیا نے صحیح قرار دیا۔

حدیث ابو حمید کا دوسرا ضعف: محمد بن عمرو بن عطاء کی عمر بھی اس کا احتمال نہیں رکھتی اور عبد الحمید کے علاوہ کسی نے بھی محمد بن عمرو کا عبد الحمید سے سماع بیان نہ کیا اور عبد الحمید تمہارے نزدیک زیادہ ضعیف ہے۔

(خلاصہ کلام: ابو حمید کے وہ حدیث جس میں بیٹھنے کی صفت کو تفصیلاً بیان کیا وہ حدیث متصل نہیں ہے اور جس حدیث کو متصلاً بیان کیا اس میں بیٹھنے کی صفت کو تفصیلا بیان نہیں کیا گیا)

حدیث:

(عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ سَهْلٍ, عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِأَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالُوا: مِنْ أَيْنَ؟ قَالَ: رَقَبْتُ ذَلِكَ مِنْهُ حَتَّى حَفِظْتُ صَلَاتَهُ. قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ وَجْهِهِ, فَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ, وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ», فَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ فَقَالَ: «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ», وَإِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ فَخِذَيْهِ غَيْرَ حَامِلٍ بَطْنَهُ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَخِذَيْهِ, وَلَا مُفْتَرِشٍ ذِرَاعَيْهِ, فَإِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ, أَضْجَعَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى عَلَى صَدْرِهَا وَيَتَشَهَّدُ)

پس جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشہد کے لئے بیٹھے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور دایاں پاؤں اس کے سینے پر کھڑا کیا اور تشہد پڑھی۔

کلامِ طحاوی

ابوحمید کی حدیث کی اصل یہ ہے کہ اس میں قاعدہ کے صفت ویسے ہی بیان ہوئے جیسا کہ حدیث وائل میں ہے۔اور وہ روایت جس کو محمد بن عمرو نے ابوحمید سے بیان کیا وہ حدیث غیر معروف ہے اور ہمارے نزدیک یہ حدیث متصل نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ ابوحمید اور قتادہ حاضر تھے حالانکہ ابو قتادہ کی وفات تو محمد بن عمرو سے بہت پہلے ہو گئی تھی۔کیونکہ وہ حضرت علی کے ساتھ شہید کر دیے گئے اور حضرت علی نے ان پر نماز جنازہ پڑھائی پس محمد بن عمر کی اتنی عمر کہاں سے۔

توابوحمید کی وہ حدیث جو متصل ہے وہ حدیث وائل کے موافق ہے۔

نظر طحاوی

ہم نے دیکھا نماز کے قعدہ اولیٰ کو اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کو کہ وہ اس طرح ہو گا کہ نمازی اپنا بایاں پاؤں بچھائے تو وہ اس پر بیٹھے گا پھر قعدہ اخیرہ میں اختلاف ہوا پس وہ دو صورتوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہو گا یا تو وہ (قعدہ اخیرہ) سنت ہے یا فرض ہے. اگر وہ سنت ہے تو اس کا حکم قعدہ اولیٰ کے حکم جیسا ہو گا اور اگر فرض ہے تو اس کا حکم دو سجدوں کے درمیان قعدہ کے حکم جیسا ہو گا تو اس کے ساتھ وائل بن حجر کی روایت ثابت ہو گئی۔یہی احناف کا قول ہے۔

ابراہیم نخعی

فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ جب آدمی نماز میں بیٹھے تو اپنا بایاں پاؤں زمین پر بچھادے پھر اس پر بیٹھے۔

بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الصَّلَاةِ, كَيْفَ هُوَ؟

امام مالک

امام مالک اور ان کے اصحاب، سالم بن عبد اللہ، نافع، زہری: ان کے نزدیک نماز میں وہ تشہد پڑھیں گے جو حضرت عمر نے لوگوں کو سکھائی کیونکہ حضرت عمر نے منبرِ رسول پر مھاجرین وانصار کی موجودگی میں لوگوں کو یہ والا تشہد سکھایا اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا (گویا اس پر اجماع ہو گیا).

حدیث

عبد الرحمٰن بن عبد القاری سے روایت ہے انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہؓعنہ کو منبر پر لوگوں کو تشہد سکھاتے ہوئے سنا آپ فرمارہے تھے تم کہو "أَلتَحِيَاتُ لِلّٰہِ الزّکیات للہ الصلوٰت للہ السلام علیک أیھا النبیّ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عبادِ اللہ الصّٰلحین أشھد ان لّا الٰہ الّا اللہ وأشھد انّ محمّدا عبدہ ورسولہ"

احناف، امام شافعی، امام احمد، جمہور فقہاء

یہ کہتے ہیں (مذہبِ اول والوں کو) اگر وہ واجب ہوتا جو تم نے ذکر کیا تو صحابی میں سے کوئی بھی تشہد میں حضرت عمر کی ـخالفت نہ کرتا حالانکہ انہوں نے حضرت عمر کی مخالفت کی اور اس کے خلاف عمل کیا اور اکثر صحابی نے اسے رسول اللہؐ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کیا۔

وہ صحابہ جنہوں نے حضرت عمر کی مخالفت کی وہ یہ ہیں:-

1: عبداللہ بن مسعود

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا:-جب ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہم کہتے "السلام علی اللہ، السلام علی جبرئیل، السلام علی میکائیل "پس آپ علیہ السلام ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا السلام علی اللہ نہ کہو کہ بیشک اللہ ہی سلام ہے لیکن تم کہو "التحیات للہؓ والصلوات والطیبات-------------------------- الخ".

2: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (ذکر مثل تشھد ابن مسعود زاد علیہ "المبارکات")

3: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (ذکر مثک تشھد ابن مسعود باختلاف الألفاظ أیضًا

4:ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (ذکر مثل تشھد ابن مسعود)

5:جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (ذکر مثل تشھد ابن مسعود لکن زاد علیہ شیئًا)

6:ابو موسیٰ أشعری رضی اللہ عنہ

7:عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (باختلاف الفاظ)

کلامِ طحاوی

(پہلے حضرت عمر کی حدیث کے مخالف جو روایات ہیں ان کی ترجیح کو بیان کریں گے پھر ان روایات میں بھی ابن مسعود کی روایت کی ترجیح کو بیان کریں گے)

ان تمام صحابہ سے تشھد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات مروی ہیں انہوں نے حضرت عمر سے تشھد کی مخالفت کی ہے۔ اور تحقیق یہ روایات آپ علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں تو ان کا خلاف کرنا یا ان کے علاوہ کو لینا یا اس روایت کو لینا جس میں کچھ زیادتی ہے یہ مناسب نہیں۔

ابنِ عباس سے جو مروی ہے اس میں ایک حرف (المبارکات) کی زیادتی ہے تو کہنے والوں نے کہا حدیث ابنِ عباس زیادہ اولی ہے کیونکہ انھوں نے زیادتی کی ہے اور زیادتی کمی سے زیادہ اولی ہے۔

دوسروں نے کہا نہیں بلکہ ابنِ مسعود، ابو موسی، ابنِ عمر (ان کی وہ روایت جس کے راوی مجاھد ہیں) کی حدیث زیادہ اولی ہے۔ ان کی سندوں کے درست ہونے اور اس پر ان کا اتفاق ہونے کی وجہ سے کیونکہ ابو زبیر (جو کہ حدیث ابنِ عباس کے راوی ہیں)

نہ تو اعمش کے برابر کے ہیں نہ منصور کے برابر کے نہ مغیرہ کے اور نہ ان کے مثل وہ راوی جنہوں نے حدیث ابنِ مسعود کو روایت کیا اور نہ وہ قتادہ کے ہم پلہ ہیں جو ابو موسیٰ کی حدیث کے راوی ہیں اور نہ حدیث ابن عمر کے راوی ہم پلہ ہیں اور اگر زیادتی کو ہی لینا واجب ہو اگرچہ اسکا راوی کم مرتبہ کا ہو تو پھر واجب ہو گا اس زیادتی کو لینا جو ایمن بن قابل نے کی ہے اور اسی طرح اس زیادتی کو لینا واجب ہو گا جو عبد اللہ بن زبیر کی روایت ہیں ابو اسلم نے کی ہے کیونکہ انھوں نے تو حدیث ابنِ مسعود پر جو زیادتی ہے اس پر بھی زیادتی کی ہے پس جب یہ زیادتی مقبول نہیں تو حدیث ابنِ عباس میں ابو زبیر کی زیادتی بھی مقبول نہیں

حدیث ابنِ مسعود کی ترجیح

1:سب کا اجماع ہے اس بات پر کہ آدمی کے لئے جائز نہیں کہ وہ جو چاہے تشھد پڑھے اس کے علاوہ جو مروی ہے پس جب

ثابت ہو گیا تشھد خاص ذکر کے ساتھ ہو گا اور جو عبد اللہ بن مسعود سے تشھد مروی ہے تمام صحابہ نے آپ کی موافقت کی ہے اور بعض نے اس پر کچھ زیادہ کیا ہے جو کہ ان (عبد اللہ بن مسعود) کے تشھد میں نہیں ہے تو پھر جس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس کو لینا زیادہ اولیٰ ہے اس سے جس میں اختلاف ہے۔

2: ہم نے دیکھا کہ عبد اللہ بن مسعود اس تشھد میں سختی فرماتے۔ حتیٰ کہ آپ اپنے اصحاب پر تشھد میں واو کا بھی مواخذہ فرماتے تاکہ وہ آپ علیہ السلام کے الفاظ کی موافقت کریں اور ان کے علاوہ کسی کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں جو ایسے سختی کرتا ہوں تو ہم نے ابن مسعود سے مروی تشھد کو مستحسن قرار دیا۔

جیسا کہ عبد الرحمن بن یزید نے کہا: عبد اللہ بن مسعود ہم پر تشھد میں واو بھی مواخذہ فرماتے۔

مسیب بن رافع سے روایت ہے فرمایا: ابن مسعود نے ایک شخص کو تشھد میں یہ کہتے سنا بسم اللہ التحیات للہ تو آپ نے اس سے فرمایا کیا تو کھانا کھا رہا ہے؟ (یعنی آپ نے بسم اللہ کا اضافہ کرنے پر بھی اس کا مواخذہ کیا)

اسی وجہ سے ہم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشھد کو مستحب قرار دیا ابن مسعود کا اس میں سختی فرمانے کی وجہ سے اور سب کا اس پر اتفاق ہونے کی وجہ سے یہی احناف کا قول ہے۔

بَابُ السَّلَامِ فِي الصَّلَاةِ, كَيْفَ هُوَ؟

امام مالک

امام مالک، امام اوزعی، عمر بن عبد العزیز، حسن بصری ان کے نزدیک نمازی نماز میں ایک سلام پھیرے گا اپنے چہرے کے سامنے۔

دلیل

عبد العزیز بن محمد الدراوردی عن مصعب بن ثابت عن اسماعیل بن محمد عن عامر بن سعد عن سعد بن ابی وقاص: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے آخر میں ایک سلام پھیرتے تھے (السلام وعلیکم)

احناف، شوافع، سفیان ثوری

انہوں نے کہا بلکہ مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرے اور دونوں سلاموں میں کہے گا السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دلیل

عبداللہ بن مبارک قال حدثنا مصعب بن ثابت عن اسماعیل بن محمد عن عامر بن سعد عن سعد: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے (**السلام وعلیکم ورحمته اللہ**) حتیٰ کہ ادھر اور ادھر سے آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھ لی جاتی۔

مذہب اول کی دلیل کا جواب

حدیث سعد جس کو مذہب اول نے ذکر کیا داوردی سے تو یہ روایت ایسے ہی مروی ہے لیکن داوردی کے علاوہ تمام راوی جنہوں نے اس حدیث کو مصعب سے روایت کیا انہوں نے اس حدیث میں داوردی کی مخالفت کی جیسا کہ سابقہ حدیث میں ہے۔

آثار صحابہ

ابو موسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا جمل کے دن حضرت علی نے ہمیں نماز پڑھائی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کی یاد دلا دی یا تو ہم اسے بھلا دیا تھا یا ہم نے اسے عمداً ترک کر دیا تھا پس آپ جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہتے اور دائیں اور

بائیں جانب سلام پھیرتے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے (**السلام علیکم و رحمۃ اللہ، السلام علیکم و رحمتہ اللہ**)

حضرت عمار، حضرت عبداللہ بن عمر، جابر بن سمرہ، براء بن عازب، وائل بن حجر، ابو مالک اشعری، طلق بن علی سے بھی روایات مروی ہیں جن میں دو سلام پھیرنے کا ذکر ہے۔

مالکیہ کا استدلال ثانی

مالکیہ کی ایک جماعت نے ایک سلام کے ثبوت پر اس حدیث کے ساتھ بھی دلیل پکڑی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام پھیرتے تھے۔

جواب

ان کو جواب دیا جائے گا یہ حدیث حضرت عائشہ پر موقوف ہے ایسے ہی حفاظ نے اسے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کو عمر بن ابو سلمہ نے زھیر بن محمد سے روایت کیا ہے۔ زھیر بھی محمد اگرچہ ثقہ ہیں لیکن جب عمرو بن ابو سلمہ ان سے روایت کرتے ہیں تو وہ بہت ضعیف ہوتی ہے ایسا ہی یحیٰی بن معین نے کہا۔

سوال

اگر کہنے والا یہ کہے جب حضرت عائشہ سے یہ ثابت ہو گیا اگرچہ یہ موقوف ہے صحابہ میں سے کسی نے حضرت عائشہ کے معارض حدیث بیان کی یا مخالفت کی؟

جواب

حضرت ابو بکر، حضرت عمر کا عمل (دو سلام پھیرنے کا) پہلے گزر چکا۔

مزید روایت: ابورزین سے روایت ہے فرمایا میں نے حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ دونوں دو سلام پھیرتے تھے۔

کلامِ طحاوی

امام ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں یہ تمام صحابہ حضرت ابو بکر، عمر، علی، ابن مسعود، عمار اور جن کو ہم نے ان کے علاوہ ذکر کیا وہ تمام اپنے دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے اور کسی نے بھی ان پر اس کا انکار نہ کیا۔ باوجود اس کے کہ ان کا زمانہ آپ علیہ السلام

کے زمانہ کے قریب تھااور انہیں آپ علیہ السلام کے اقوال یاد تھے تو اب کسی کے لیے بھی اس کا خلاف کرنا مناسب نہیں۔

اعتراض

اگر کوئی اس روایت کا انکار کرے جو ہم نے روایت کی۔اور دلیل پکڑے اس حدیث سے: عمرو بن مرہ سے روایت ہے فرمایا میں نے ابو وائل سے عرض کی کیا آپ نے تکبیر کو یاد رکھا فرمایا 'ہاں' فرماتے ہیں میں نے عرض کی اور سلام فرمایا 'ایک ہے۔

فرماتے ہیں کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے ایک سلام یاد رکھا حالانکہ انہوں نے حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دو سلام پھیرتے دیکھا تیرا کیا خیال ہے اس کے متعلق جس نے ایک سلام یاد رکھا حالانکہ اس نے حضرت علی اور ابن مسعود سے یاد کیا وہ ان کی اقتداء کرتا تھا۔ تو جب یہ ثابت ہو گیا تو جو تم نے دو سلام روایت کیے اس کا فساد ثابت ہو گیا۔

جواب

اس کو جواب دیا جائے گا کہ جو ہم نے دو سلام کی روایت کی ہے وہ صحیح ہے اس کے متن اور سند میں کچھ بھی داخل نہیں اور یہ روایت محمول ہے رکوع و سجود والی نماز پر۔اور ابو وائل نے جو مراد لیا ہے ایک مرتبہ سلام پھیرنا وہ تکبیر والی نماز میں ہے یعنی نماز جنازہ میں بے شک کوفیوں کی ایک جماعت ان میں سے ابراہیم نخعی بھی ہیں وہ نماز جنازہ میں ایک طرف سلام پھیرتے اور بقیہ نمازوں میں دو سلام پھیرتے۔ہمارے نزدیک حدیث ابو وائل کا یہی معنی ہے۔اور اسی وجہ سے جو ان سے مروی ہے اس کو اس پر محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ حتیٰ کہ ابو وائل کی بعض حدیث بعض کے خلاف نہ ہو۔

سوال:اگر کہنے والا یہ کہے کہ عمر بن عبد العزیز، حسن بصری، ابن سیرین وہ اپنی نمازوں میں ایک سلام پھیرتے؟

جواب:ان کو جواب دیا جائے گا ان حضرات سے ایک سلام مروی ہے لیکن جو ان سے پہلے کے ہیں (یعنی صحابہ) ان سے اس کے خلاف مروی ہے اور وہ تواتر کے ساتھ مروی ہے۔اور سعید بن مسیب اور ابن لیلی سے بھی ان کے خلاف مروی ہے حلانکہ یہ ان سے بڑے تابعی ہیں۔

1: زہرہ بن معبد سے مروی ہے فرمایا سعید بن مسیب دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے۔

2: حکم سے روایت ہے فرمایا میں ابن ابی لیلی کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پس وہ اپنے دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے (**اسلام علیکم ورحمۃ اللہ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ**)۔

پس یہ دونوں تابعی حضرات کو صحابہ کی زیادہ صحبت حاصل ہے جو ان کے مخالف ہیں عمر بن عبد العزیز حسن بصری ابن سیرین وہ ایسے نہیں ہے۔ پس سعید بن مصیب ابن ابی لیلی ان دونوں کی روایت زیادہ اولی ہو گی ان کے اپنے سے پہلوں کی اقتداء کرنے کی وجہ سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کی موافقت کرنے کی وجہ سے یہی احناف کا قول ہے۔

بَابُ السَّلَامِ فِي الصَّلَاةِ، هَلْ هُوَ مِنْ فُرُوضِهَا أَوْ مِنْ سُنَنِهَا؟

مذہب اول

امام مالک، امام شافعی، امام احمد ان کے نزدیک سلام فرض ہے اگر کوئی شخص نماز سے بغیر سلام کے فارغ ہوا تو اس کی نماز باطل ہے۔

دلیل

محمد بن حنفیہ سے روایت ہے وہ علی بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز کی چابی طہارت ہے اس کی تحریمہ تکبیر ہے اور اس سے حلال ہونا سلام پھیرنا ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا (تحلیلھا التسلیم) پس اس کے بغیر نماز سے نکلنا جائز نہیں۔

مذہب ثانی

مذہب ثانی والوں نے مذہب اول کی مخالفت کی پھر ان میں بھی دو گروہ ہیں۔

1: امام اعظم امام ابو یوسف امام محمد ابراہیم نخعی ان کے نزدیک جب نماز تشہد کی مقدار بیٹھا پس اس کی نماز مکمل ہو جائے گی اگرچہ اس نے سلام نا پھیرا ہو۔

2: سعید بن مسیب حسن بصری ان کے نزدیک جب نمازی نے نماز کے آخری سجدہ سے سر اٹھایا تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی اگرچہ اس نے تشھد نہ پڑی ہو نہ سلام پھیرا ہو۔

دلیل

مذہب ثانی کی مذہب اول کے خلاف دلیل اول والوں نے نے جو حضرت علی سے روایت بیان کی وہ ایسے ہی مروی ہے اور تحقیق اور تحقیق حضرت علی سے آپ کی رائے مرضی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی کے نزدیک آپ علیہ السلام کے قول کا معنی وہ نہیں جو مذہب اول مراد لیا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا جب نمازی آخری سجدہ سے سر اٹھائے بس اس کی نماز مکمل ہو گی۔

پس حضرت علی کے نزدیک (**تحلیلھا التسلیم**) کا معنی یہ نہیں ہے کہ نماز سلام کے ساتھ مکمل ہو گی کیوں کہ ان کے

نزدیک تو نماز نماز سلام سے پہلے ہی مکمل ہو جاتی ہے اور (**تحليلها التسليم**) کا معنی ان کے نزدیک یہ بھی ہے کہ تحلیل سہیل وہ جس کے ساتھ نماز سے باہر ہونا مناسب ہے نہ کہ اس کے علاوہ کچھ اور۔

اعتراض

آپ علیہ السلام نے فرمایا(تحريمها التكبير) پس نماز میں تکبیر کے ساتھ داخل ہو جائے گا تو جب آپ علیہ السلام نے فرمایا(تحليلها التسليم) تو یہ بھی اسی فرمان کی طرح ہو گا تو نماز سے سلام کے ساتھ ہی نکلا جائے گا۔

جواب

اشیاء میں داخل ہونا جائز نہیں مگر اسی طرح جس طرح داخل کل ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور اشیا سے نکلا جائے گا جس طرح اس سے نکلنے کا حکم دیا ہے اور اس کے علاوہ طریقے سے بھی نکلا جا سکتا ہے جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ عورت سے عدت کی حالت میں نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے اور جس نے عورت سے اس حالت میں نکاح کیا وہ اس کی بضع کا مالک نہیں ہو گا اور اس عورت پر اس کا نکاح ثابت نہیں ہو گا اور نکاح سے نکلنے کا حکم دیا گیا اصطلاح کے ساتھ جس میں گناہ نہ ہو اور وہ یہ کہ وہ اس عورت کو تہور میں طلاق دے پس جس نے اس کے علاوہ طریقے کے ذریعے طلاق دی مثلا اس نے ایک ساتھ تین طلاق دے دیں اپنی عورت کو حیض ضبط کی حالت میں طلاق دے دی تو طلاق ہو جائے گی اگرچہ وہ گناہگار ہو گا اور وہ اس منھی عنہ طلاق کے ساتھ نکاح صحیح سے نکل جائے گا۔

پس وہ اسباب بھی بیان کر دیے جن کے ذریعے وہ بضع کا مالک بنے گا کہ وہ کیسے ہوں گے اور وہ اسباب بھی بیان کر دیا جن کے ذریعے ملک کی اذاں ہو جاتی ہے کہ وہ کیسے ہوں گے اور جو ان کے مخالف اسباب ہیں ان سے منع کر دیا گیا پس جس نے منھی عنہ کام کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ نکاح میں داخل ہو تو وہ اس کے ساتھ نکاح میں داخل نہیں ہو گا اور جب اس نے منھی عنہ کام کیا تھا کہ نکاح سے نکل جائے تو نکل جائے گا بس جب ایشیا میں داخل نہیں ہوا جائے گا مگر اسی طرح جس طرح داخل ہونے کا حکم ہے۔

اور اشیاء سے نکلنا اس طرح بھی ہو گا جس طرح نکلنے کا حکم ہے اور اس کے علاوہ طریقے سے بھی تو نماز میں بھی قیاس یہ ہے کہ وہ بھی ایسے ہی ہو پس نماز میں داخل ہونا۔

اسی طرح واجب ہے جس طرح داخل ہونے کا حکم ہے اور نماز سے نکلا جائے گا اس طرح بھی جس طرح نکلنے کا حکم ہے اور اس کے علاوہ طریقے سے بھی۔

(یہاں سے مذھب ثانی کے فریق اول اور فریق ثانی کے اختلاف و دلائل ذکر ہوں گے)

فریق ثانی

جن کا مذہب یہ ہے کہ (جب نمازی نماز کے آخری سجدہ سے سر اٹھائے گا تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔)

دلیل

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب نمازی آخری سجدے سے اپنا سر اٹھالے تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی جب اسے کوئی حدث لاحق ہو)

(فریق ثانی کی دلیل کا جواب)

فریق ثانی کو جواب دیا جائے گا کی یہ حدیث مضطرب ہے اس میں اختلاف ہے ایک قوم نے تو اس حدیث کو ایسے ہی روایت کیا لیکن دوسروں نے اس کے علاوہ اسے روایت کی۔

ایک اور سند سے یہ حدیث اس طرح مروی ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب امام نماز مکمل کر لے پس بیٹھ جائے پھر امام کو یا جس نے امام کے ساتھ نماز مکمل کی اس کو امام کے سلام پھیرنے سے پہلے حدث لاحق ہو گیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی پس وہ اعادہ نہیں کرے گا۔

ایک اور حدیث اس کے علاوہ الفاظ سے مروی ہے۔

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب نمازی نماز کے آخر سے اپنا سر اٹھائے اور اس نے اپنی تشہد مکمل کر لی پھر اسے حدث لاحق ہوا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی وہ اس کا اعادہ نہیں کرے گا۔

اس حدیث سے دلیل پکڑنا درست نہیں کیونکہ یہ مضطرب ہے۔

فریق اول

نماز مکمل نہیں ہو گی حتی کہ وہ تشہد کی مقدار بیٹھ جائے۔

دلیل

. قاسم بن مخیمرہ سے روایت ہے فرمایا علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حدیث بیان کی: عبداللہ بن مسعود نے میرا (علقمہ) ہاتھ پکڑا اور رسول اللہ ﷺ نے ان (عبداللہ بن مسعود) کے ہاتھ پکڑے اور ان کو تشہد سکھایا۔۔۔۔ پھر وہ کلمات ذکر کیے جو تشہد کے کلمات منقول ہیں۔۔۔۔ اور فرمایا جب تو نے یہ کر لیا یا اس کو پورا کر لیا تو تیری نماز مکمل ہو گئی اگر تو کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جا

اور اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جا۔

عبد اللہ بن مسعود کا قول

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: تشہد نماز کا پورا ہونا ہے اور سلام نماز کے مکمل ہونے کا اعلان کرنا ہے۔

(یعنی نماز تشہد کی مقدار بیٹھنے سے مکمل ہو جاتیہے پس یہ دلالت کرتا ہے کہ نماز کے آخری میں قعدہ فرض ہے کیونکہ جس کے ساتھ نماز مکمل ہوتی ہے وہ فرض ہوتا ہے بخلاف سلام کے کیونکہ اس کے ساتھ نماز مکمل نہیں ہوتی)

آپ ﷺ سے مروی ہے جو دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ سلام کو چھوڑ دینا نماز کو فاسد نہیں کرنا۔

وہ یہ کہ آپ ﷺ نے ظہر کی 5 کی رکعتیں پڑھیں پس سلام نہ پھیرا پس جب آپکو خبر دی گئی تو آپ نے اپنا پاؤں موڑا اور دو سجدے کئے۔

اس حدیث میں ہے کہ آپ نے نماز میں ایک رکعت کو داخل کر دیا سلام سے پہلے اور آپ ﷺ نے اسے نماز کے لئے مفسد خیال نہ کیا اگر آپ اس کو نماز کے لئے فاسد خیال کرتے تو ضرور نماز کا اعادہ کرتے پس جب آپ ﷺ نے نماز کا اعادہ نہ کیا حالانکہ آپ بغیر سلام پانچویں رکعت کی طرف چلے گئے تھے یہ دلالت کرتا ہے کہ سلام ارکان نماز سے نہیں کیا تو نہیں دیکھتا اگر وہ نمازی پانچویں رکعت میں چلا گیا اور اس پر سجدہ باقی ہو تو ی چاروں رکعتوں کو فاسد کر دے گا اگر سلام بھی واجب بمعنی فرض ہوتا نماز کے سجدے کے فرض ہونے کی طرح تو اس کا حکم بھی سجدے کی طرح ہوتا لیکن وہ اس کے بخلاف ہے اور وہ (سلام) سنت ہے۔

فکان تصحیح معانی الآثار فی ھذا الباب

ان آثار کی تصحیح ثابت کرتی ہیں ان کا قول جنہوں نے کہا کہ نماز مکمل نہیں ہو گی حتی کہ وہ تشہد کی مقدار بیٹھے (ان کے نزدی تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اور اس کے ساتھ مکمل ہو جائے گی) کیونکہ حدیث علی (جو کہ مذھب اول کی دلیل ہے) میں احتمال ہے جس کو ہم نے ذکر کر دیا اور حدیث وعبد اللہ بن عمرو (جو کہ مذھب ثانی کے فریق ثانی کی دلیل ہے) میں اختلاف ہے یہ حدیث مضطرب ہے اور حدیث ابن مسعود (جو کہ مذھب ثانی کے فریق اول کی دلیل ہے) اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (لہذا یہی زیادہ اولی ہو گی)

قیاس

(یہاں مذھب ثانی کے فریق اول اور فریق ثانی کا قیاس کے ذیعے اپنے اپنے مؤقف کو ثابت کریں گے)

فریق ثانی کا قیاس

جن کا مؤقف یہ ہے کہ جب نمازی نماز کے آخری سجدہ سے اپنا سر اٹھائے گا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی اور انھوں نے کہا کہ ہم نے دیکھا قعدہ اخیرہ کو کہ اس میں ایک ذکر ہے جس کے ساتھ تشھد پڑھا جاتا ہے اور ایک سلام ہے جس کے ذریعے نماز سے نکلا جاتا ہے اور ہم نے قعدہ اولی کو دیکھا اس میں ذکر ہے جس کے ساتھ تشھد پڑھا جاتا ہے پس سب کا اجماع ہے اس بات پر کہ قعدہ اولی اور جو کچھ اس کے اندر ذکر ہے وہ نماز کے ارکان سے نہیں ہے بلکہ وہ تو نماز کی سنتوں سے ہے تو یہ قیاس یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ بھی ایسے ہی ہو اور جو کچھ قعدہ اخیرہ میں ذکر وغیرہ ہے وہ بھی ایسے ہی ہو۔ پس قعدہ اخیرہ سنت ہو گا جیسا کہ قعدہ اولی سنت ہے اور قعدہ اخیرہ میں جو کچھ ہے وہ بھی سنت ہو جیسا کہ قعدہ اولی میں جو کچھ ہے وہ سنت ہے۔

ہم نے تمام نماز میں قیام، رکوع، سجود، کو دیکھا کہ وہ ایک طرح ہی ہوتے ہیں تو یہ قیاس ی ہے کہ قعدہ بھی ایسے ہی ہو تمام نماز میں توسب کا اتفاق ہے کہ بعض قعدہ (قعدہ اولی) سنت ہے تو جو باقی بچا (قعدہ اخیرہ) وہ بھی ایسے ہی ہو گا یعنی سنت ہو گا۔

فریق اول کا قیاس

جنہوں نے کہا کہ قعدہ اخیرہ فرض ہے انھوں نے کہا ہم نے قعدہ اولی کو دیکھا کہ جو اس سے بھول کر کھڑا ہو گیا اور مکمل کھڑا ہو گیا تو اسے قیام میں ہی رہنے کا حکم دیا جائے گا اور قعدہ کی طرف لوٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور ہم نے دیکھا کہ جو قعدہ اخیرہ سے بھول کر کھڑا ہو گیا اور مکمل کھڑا ہو گیا تو اسے قعدہ کی طرف لوٹنے کا حکم دیا جائے گا۔ (فریق اول نے کہا) جس قعدہ سے کھڑے ہو جانے کے بعد دوبارہ اس کی طرف لوٹنے کا حکم دیا جائے گا وہ فرض ہے اور جس قعدہ کے بعد لوٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا وہ فرض نہیں۔۔ کیا تو نہیں دیکھتا جو کھڑا ہو گیا اور اس پر نماز کا سجدہ باقی ہو اگرچہ مکمل کھڑا ہو گیا تو اسے لوٹنے کا حکم ہے کیونکہ اس نے فرض چھوڑ دیا ہے پس اسے لوٹنے کا حکم دیا گیا ہے ایسے ہی قعدہ اخیرہ ہے کہ جب اس سے کھڑے ہو جانے کے بعد دوبار اس کی طرف لوٹنے کا حکم ہے تو اس کے فرض ہونے کی دلیل ہے اگر یہ فرض نہ ہوتا تو اس کی طرف لوٹنے کا حکم نہ ہوتا جیسا کہ قعدہ اولی کی طرف لوٹنے کا حکم نہیں ہے۔

فریق اول کی دوسری دلیل (بطریق قیاس)

جو شخص قعدہ اولی سے کھڑا ہو گیا اور مکمل کھڑا ہو گیا تو اسے قیام میں ہی رہنے کا حکم ہے اور دوبارہ قعدہ کی طرف لوٹنے کا حکم نہیں ے کیونکہ وہ ایک غیر فرض قعدہ سے کھڑا ہوا ہے اور فرض قیام میں داخل ہو گیا ہے اور فرض کو چھوڑنے اور غیر فرض کی طرف لوٹنے کا حکم نہیں ہے بلکہ اسے فرض میں رہنے اور اس کو مکمل کرنے کا حکم ہے اور اگر وہ قعدہ اولی سے کھڑا ہوا اور ابھی مکمل کھڑا نہیں ہوا تو اسے قعدہ کی طرف لوٹنے کا حکم ہے کیونکہ جب تک وہ مکمل کھڑا نہ ہوا تو وہ فرض میں داخل نہیں ہوا پس جو نہ فرض ہے نہ سنت۔ نمازی کو اس سے اس قعدہ کی طرف لوٹنے کا حکم ہے جو سنت ہے۔

اور وہ جو قعدہ اخیرہ سے کھڑا ہوا اور مکمل کھڑا ہو گیا تو نہ تو وہ فرض میں داخل ہوا ہے نہ سنت میں۔ لہذا اسے قعدہ (وہ کہ جو سنت

ہے) کی طرف لوٹنے کا اور جو نہ فرض ہے نہ سنت اس کو چھوڑنے کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ قعدہ اولی میں ہوتا ہے جب وہ مکمل کھڑا نہ ہوا ہو

علامہ طحاوی فرماتے ہیں یہ قیاس ہمارے نزدیک ہے لیکن امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد ان کا مذھب وہ ہی ہے جنہوں نے کہا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا نماز کے ارکان سے ہے۔

متقدمین کے قول سے تائید

حسن بصری سے اس شخص کے متعلق سوال ہوا جسے آخری سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد حدث لاحق ہوا تو آپ نے فرمایا اس کو نماز کفایت نہ کرے گی یہاں تک کہ وہ تشہد پڑھے یا تشہد کی مقدار بیٹھے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

مؤقف اول

ابو بکر بن اصم، بعض ظاہریہ ان کے نزدیک فجر کے سنتوں میں اصلا قرأت نہیں ہے۔

دلیل

1: حضرت حفصہ فرماتی ہیں "جب موذن صبح کی اذان سے خاموش ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خفیف رکعتیں ادا کرتے نماز سے پہلے"۔ ثابت ہوا کہ ان رکعتوں میں تخفیف کرنا سنت ہے۔

2: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو خفیف رکعتیں ادا کرتے حتیٰ کہ میں کہتی تھی کہ کیا آپ نے فاتحہ کی بھی قرأت کی ہے؟

حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ "میں کہتی آپ نے فاتحہ بھی پڑھی ہے؟" یہ دلالت کرتا ہے کہ آپ بہت خفیف رکعت ادا کرتے اور ان میں قرآت نہ کرتے۔

امام مالک

امام مالک، بعض شوافع ان کے نزدیک صرف فاتحہ کی قرات کی جائے گی۔

دلیل

حضرت عائشہ سے روایت ہے فرماتے ہیں "جب فجر طلوع ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو خفیف رکعتیں ادا کرتے میں کہتی آپ ان میں فاتحہ کی قرات کرتے ہیں"

کلام طحاوی

اس حدیث پاک میں فاتحہ کی قراءت کو ثابت کیا ہے تو یہ ان کے خلاف حجت ہے جس نے ان رکعتوں میں قراءت کی نفی کی ہے۔

آئمہ ثلاثہ، جمہور

ان رکعتوں میں ویسے ہی قرات کی جائے گی جیسے بقیہ نوافل وغیرہ میں قرات کی جاتی ہے۔

مذہب اول والوں کو جواب

ممکن ہے کہ آپ علیہ سلام فاتحہ کی اور اس کے ساتھ کچھ اور قراءت کرتے ہو اور بہت خفیف کرتے ہو تو حضرت عائشہ آپ پر بطور تعجب یہ کہتی تھی (هَلْ قَرَأَ فِيهِمَا بِأُمِّ الْكِتَابِ»)

دلائل

1: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دو رکعتوں میں جو قرآت کرتے وہ آہستہ کرتے اور حضرت عائشہ نے (قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ) اور (قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ) کا ذکر کیا۔

مذہب ثانی نے جو روایت بطور دلیل پیش کی اس میں فاتحہ کی اور فاتحہ کے علاوہ سورتوں کی قراءت ثابت ہوئی۔ ثابت ہوا کہ ان میں بھی بقیہ نمازوں کی طرح قرات کی جائے گی۔

آثار صحابہ

حضرت عائشہ کے علاوہ بھی صحابہ کرام کی ایک جماعت سے روایات مروی ہیں جن کے اندر مختلف سورتوں کی قرات کرنے کا ثبوت ہے۔

(عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمر، ابن عباس، انس بن مالک، حضرت جابر)

ان آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ فجر کی سنتیں بقیہ نوافل ہی کی طرح ہے اور ہم نوافل میں سے کسی نماز کو نہیں پاتے جس میں کچھ بھی قرات نا کی جاتی ہو یا صرف فاتحہ کی قراءت کی جاتی ہوں اور نہ ہی ہم ایسی کوئی نفل نماز پاتے ہیں جس میں طول قرات کو ناپسندیدہ سمجھا گیا ہو۔ بلکہ طول قیام تو مستحب ہے۔

جیسا کہ

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سی نماز افضل ہے فرمایا طول قیام (یہ نوافل کا حکم ہوا کہ طول قیام افضل ہے)

افضلیت سنت فجر

فجر کے سنتوں کو بھی نوافل میں سے افضل قرار دیا گیا ہے اور اس کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔

1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔

2: اور فرمایا کہ فجر کی دو رکعتیں دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔

کلامِ طحاوی

جب فجر کی دو رکعت نوافل میں افضل ہیں اور نوافل کے اندر طول قیام افضل ہے لہذا فجر کے دو رکعتوں میں بھی طول قیام (طول قرات) کیا جائے گا۔

حضرت حماد نے ابراہیم نخعی سے سوال کیا کہ کیا میں فجر کی دو رکعتوں میں لمبی قرات کروں تو فرمایا "ہاں"

حضرت ابن مسعود، ان کے اصحاب، ابو وائل اور دیگر صحابہ بھی فجر کی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ دیگر مختلف سورتوں کی قرات کرتے تھے۔

بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ

اسود، مسروق، امام شافعی، امام احمد

ان کے نزدیک عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ان کے نزدیک یہ دو رکعت سنت ہیں۔

دلیل

1: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس ہوتے تو عصر کے بعد دو رکعتیں ادا فرماتے۔

2: وعنها قالت: كان النبی لایدع الرکعتین بعد العصر

ابو جحیفہ، حضرت عائشہ، زید بن خالد جُھنی، ابو ایوب انصاری، نعمان بن بشیر، تمیم داری وغیرہ اصحاب سے بھی اس طرح کی روایات مروی ہیں۔

امام اعظم

امام اعظم، ان کے اصحاب، امام مالک، ابن سیرین، سفیان ثوری، ان کے نزدیک عصر کے بعد دو رکعت مکروہ ہیں۔ فوت شدہ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

بعض علما کے نزدیک وہ نماز جس کا کوئی سبب ہو وہ نماز ان اوقات میں ادا کرنا جائز ہے بغیر سبب کے ان اوقات میں نماز مکروہ ہے۔

دلیل

1: عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتیبہ سے روایت ہے بیشک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلمہ کے پاس کسی کو بھیجا تاکہ وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ان دو رکعتوں کے متعلق سوال کرے جو آپ علیہ السلام عصر کے بعد ادا کرتے آپ نے فرمایا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس عصر کے بعد دو رکعتیں ادا کیں میں نے عرض کی کیا آپ کو ان کا حکم دیا گیا ہے فرمایا نہیں لیکن میں ظہر کے بعد یہ دو رکعتیں ادا کرتا تھا پس میں ان سے مشغول ہو گیا پس میں اب ادا کر رہا ہوں۔

2: وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ صحابہ نے حضرت عائشہ کی طرف قاصد بھیجا تاکہ وہ آپ رضی اللہ تعالی عنہا سے عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں سوال کرے تو آپ نے اسے ام سلمہ کی طرف بھیجا کہ ان سے اس بارے میں سوال کریں اس نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے سوال کیا تو فرمایا: میں نے آپ علیہ السلام کو ان دو رکعتوں سے منع کرتے ہوئے سنا کہ پھر میں نے آپ علیہ السلام کو یہ دو رکعتیں ادا کرتے ہوئے دیکھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔الخ

ابن عباس سے روایت ہے فرمایا: (میرے پاس ثقات موجود تھے ان میں سے سب سے زیادہ ثقہ حضرت عمر تھے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد نماز سے منع فرمایا کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد نماز سے منع فرمایا تھا کے سورج غروب ہو جائے۔

حضرت علی، حضرت عائشہ، معاذ بن عفراء، ابن عمر، ابو ہریرہ، حضرت سیدنا ابو سعید رضی اللہ تعالی عنہم سے بھی اسی مضمون کی احادیث مروی ہیں۔

آثار صحابہ

سائب بن یزید سے روایت ہے انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے عصر کے بعد نماز پر منکدر کو مارتے دیکھا۔

اعتراض

ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے خبر دی کہ آپ علیہ سلام نے عصر کے بعد دو رکعتوں سے منع فرمایا۔ پھر جب آپ علیہ السلام کی ظہر کے بعد دو رکعتیں رہ گئی تو آپ نے انہیں عصر کے بعد ادا کیا تو معترض کہتا ہے کہ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ جس کی ظہر کے بعد دو رکعتیں رہ جائیں وہ عصر کے بعد انہیں ادا کرے اور ان کے علاوہ نفل وغیرہ ادا نہ کرے۔

جواب

آپ علیہ السلام نے جب خود انہیں ادا کیا تو دوسروں کو آپ علیہ السلام نے یہ رکعتیں قضا کرنے سے منع فرمادیا۔

جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز ادا کی پھر میرے گھر تشریف لائے تو دو رکعت نماز پڑھی میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے نماز ادا کی جو پہلے ادا نہ کرتے تھے فرمایا میرے پاس مال آیا تو اس نے مجھے ان دو رکعتوں سے مشغول رکھا جو میں ظہر کے بعد ادا کرتا تھا تو وہ دو رکعتیں اب میں نے ادا کی میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جب ہماری یہ دو رکعتیں رہ جائیں تو کیا ہم بھی ان کی قضا کریں تو فرمایا "نہیں"

اس حدیث سے پتہ چلا کہ یہ آپ علیہ سلام کا خاصہ ہے کیونکہ آپ نے دوسروں کو ان رکعتوں کی قضا کرنے سے منع فرمادیا۔

نظر طحاوی

ظہر کے بعد دو رکعتیں فرض نہیں ہیں پس جب یہ کسی کی رہ جائیں حتی کہ وہ عصر کی نماز ادا کرلے تو اگر عصر کے بعد اس نے یہ دو رکعت ادا کی تو ان کو ادا کرنے والا وہ ایسے وقت میں نفل ادا کرے تے جو نفل کا وقت نہیں ہے اسی وجہ سے ہم نے عصر کے بعد نفل ادا کرنے سے منع کر دیا اور ہم نے اس وقت میں ان دو رکعتوں اور ان کے علاوہ نوافل کو برابر رکھا(یعنی اس سے منع کیا)

یہی قول احناف کا ہے۔

بَابُ الرَّجُلُ يُصَلِّي بِالرَّجُلَيْنِ، أَيْنَ يُقِيمُهُمَا؟

حضرت علقمہ حضرت اسود سے روایت ہے کہ وہ دونوں ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو ابن مسعود نے ان دونوں کو نماز پڑھائی ابن مسعود ان کے درمیان کھڑے ہوئے ان میں سے ایک کو اپنے دائیں جانب اور دوسرے کو بائیں جانب رکھا پھر ہم نے رکوع کیا ہم نے اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے تو ابن مسعود نے ہمارے ہاتھوں پر مارا اور تطبیق کی پھر ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ایسا ہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔

ہمارے نزدیک اس میں احتمال یہ ہے کہ ابن مسعود نے جو یہ کہا (**ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**) اس سے مراد تطبیق ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد تطبیق بھی ہو اور دونوں مقتدیوں میں سے ایک کو دائیں بائیں دائیں جانب اور دوسرے کو بائیں جانب کھڑا کرنا ہو۔

ہم نے ارادہ کیا کہ ہم غور کریں کیا کوئی ایسی روایت ہے جو اس میں سے کسی احتمال پر دلالت کرے؟

حدیث: عبد الرحمن بن اسود اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرے چچا عبد اللہ بن مسعود کے پاس دوپہر کے وقت داخل ہوئے پس انہوں نے نماز قائم کی ہم ان کے پیچھے کھڑے ہوئے تو انہوں نے ہمیں پکڑا اور ایک کو دائیں اور ایک بار کھڑا کیا اور جب نماز پڑھ لی تو فرمایا ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے جب تین لوگ ہوتے تھے۔

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ابن مسعود کا قول (ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے مراد دو شخصوں میں سے ایک کو دائیں جانب اور دوسرے کو بائیں جانب کھڑا کرنا اور تطبیق ہے۔

دوسرا قول

ان کے نزدیک جب دو شخص ہو امام کے ساتھ تو وہ پیچھے کھڑے ہوں گے نہ کہ دائیں بائیں۔

دلیل

حضرت جابر سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کر رہے تھے میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے میرے ہاتھ سے پکڑا اور گھما کر دائیں جانب کھڑا کر دیا اور جابر بن صخر آئے اور تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہاتھ سے پیچھے کر دیا یہاں تک کے ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کر لیا۔

حضرت انس سے بھی اسی مضمون کی روایت ہے

نظر طحاوی

ہم نے مقتدی کے احوال کو دیکھا کہ امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو گا یا دو ہوں گے یا تین یا اس سے زیادہ ہوں گے۔

ایک کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ امام کے ساتھ کھڑا ہو گا۔

تین یا زیادہ کے بارے میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔

اب دو کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا حکم ایک کی طرح ہے یا جماعت کی طرح؟

ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (**الِاثْنَانِ فَمَافَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ**)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کو جماعت بنایا ہے تو ان کا حکم جماعت کے حکم کی طرح ہے۔

ہم نے دیکھا کہ شرع نے کثیر احکام کے اندر دو کو جماعت شمار کیا ہے جیسا کہ میراث میں ہوتا ہے کہ اس میں دو یا اس سے زیادہ کو جماعت کے حکم میں رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ بیٹی اور پوتی اور بہن وغیرہ وغیرہ۔

تو قیاس یہ ہے کہ یہاں بھی دو جماعت کے حکم میں ہیں پس وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔

یہ احناف کا موقف ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ امام کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو ابن مسعود کی روایت پر عمل کرے چاہے تو حضرت انس اور حضرت جابر کی روایت پر عمل کرے۔

بَابُ الرَّجُلِ يَكُونُ فِي الْحَرْبِ فَتَحْضُرُهُ الصَّلَاةُ وَهُوَ رَاكِبٌ هَلْ يُصَلِّي أَمْ لَا؟

ابن ابی لیلی، حکم بن عتبہ، حسن بن حیی

ان کے نزدیک سوار اپنی سواری پر فرض نماز ادا نہیں کرے گا اگرچہ اس کے لیے اترنا ممکن نہ ہو۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن سواری کی حالت میں نماز نہیں پڑھی تھی۔

دلیل

حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کے دن فرماتے ہوئے سنا:

"انہوں نے ہمیں عصر کی نماز سے مشغول رکھا اللہ عزوجل ان کی قبروں کو ان کے دلوں کو اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے"

(راوی فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے نماز ادا نہ کی یہاں تک کہ سورج غائب ہو گیا)

احناف، امام مالک، امام احمد

اگر سوار کے قتال کر رہا ہوں تو نماز نہیں پڑھے گا اور اگر سوا ل قتال کر رہا ہوں اور اُترنا ممکن نہ ہو تو نماز پڑھے گا۔

مذہب اول کی دلیل کا جواب

ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن نماز ادا نہ کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتال کر رہے تھے۔

اور قتال عمل ہے اور نماز کے اندر عمل نہیں ہوتا۔

اور اسی طرح ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن نماز ادا نہ کی کیونکہ ابھی تک سواری کی حالت میں نماز ادا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔

دلیل

(عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: "حُبِسْنَا يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتَّى كَانَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ بِهَوِيٍّ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى إِذَا كُفِينَا , وَذَلِكَ قَوْلُ اللهِ تَعَالَى {وَكَفَى اللهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللهُ قَوِيًّا عَزِيزًا} [الأحزاب: 25] , قَالَ: فَدَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَأَقَامَ الظُّهْرَ فَأَحْسَنَ صَلَاتَهَا كَمَا كَانَ يُصَلِّيهَا فِي وَقْتِهَا ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعَصْرَ فَصَلَّاهَا كَذَلِكَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ فَصَلَّاهَا كَذَلِكَ , وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُنْزِلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ {فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا} [البقرة: 239] ")

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ خندق کے دن صحابہ کا نماز کو سواری کی حالت میں ترک کرنا بے شک یہ سواری کی حالت میں نماز کے مباح ہونے سے پہلے تھا تو اس کے ذریعہ ثابت ہوا کہ جو شخص جنگ میں ہوں اور سواری سے اترنا ممکن نہ ہو تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ سواری پر ہی اشارے سے نماز پڑھے اور ایسے ہی اگر کوئی شخص زمین پر ہو اور سجدہ کرنے میں یہ خوف ہو کہ کوئی آدمی ضرب لگادے گا یا درندہ پھاڑ دے گا تو اس کے لئے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ كَيْفَ هُوَ , وَهَلْ فِيهِ صَلَاةٌ أَمْ لَا؟

اس باب میں تین مسائل پر کلام ہو گا

1: استسقاء میں نماز ہے یا نہیں 2: خطبہ کب ہو گا 3: قرات کیسے ہو گی

استسقاء میں نماز ہے یا نہیں

امام اعظم ابو حنیفہ، ابراہیم نخعی

ان کے نزدیک استسقاء کے لیے نماز مشروع نہیں بلکہ اس کے لئے صرف دعا اور استغفار ہے۔

دلیل

یہ دلیل پکڑتے ہیں حضرت انس کی روایت سے جو ایک طویل روایت ہے کہ جمعہ کے دن ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ مال ہلاک ہو گئے اور راستے ٹوٹ گئے پس اللہ سے دعا کیجئے وہ ہمیں بارش دے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے پھر کہا اے اللہ ہمیں پانی عطا کرے تو مسلسل ایک ہفتہ بارش ہوئی پھر وہ شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا بارش رکنے کی دعا فرمادیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی (اللهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا)

اس میں دعا کا تذکرہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لئے دعا فرمائی۔

آئمہ ثلاثہ

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف، امام محمد اور جمہور اہل علم کے نزدیک استسقاء میں سنت یہ ہے کہ امام لوگوں کو لے کر عید گاہ کی طرف نکلے اور وہاں دو رکعت پڑھائے اور اس میں جہرا قراءت کرے پھر خطبہ دے اور تحویل ادا کرے۔

دلیل

انہوں نے عبد اللہ بن زید، عباد بن تمیم کے چچا، عبد اللہ بن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہم کی روایت سے

دلیل پکڑی ہے۔

1: عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ سلام نکلے عید گاہ کی طرف تو بارش طلب کرنے کی, قلب رداء کیا، اور قبلہ کی طرف منہ کیا۔

2: إِسْحَاقَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ كِنَانَةَ مِنْ بَنِي مَالِكِ بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: أَرْسَلَنِي الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ أَسْأَلُ لَهُ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الِاسْتِسْقَاءِ, فَأَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَقُلْتُ: إِنَّا تَمَارَيْنَا فِي الْمَسْجِدِ فِي صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الِاسْتِسْقَاءِ قَالَ: لَا, وَلَكِنْ أَرْسَلَكَ ابْنُ أَخِيكُمُ الْوَلِيدُ, وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ وَلَوْ أَنَّهُ أَرْسَلَ فَسَأَلَ مَا كَانَ بِذَلِكَ بَأْسٌ ثُمَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: «خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُبْتَذِلًا مُتَوَاضِعًا مُتَضَرِّعًا حَتَّى أَتَى الْمُصَلَّى فَلَمْ يَخْطُبْ خُطْبَتَكُمْ هَذِهِ, وَلَكِنْ لَمْ يَزَلْ فِي الدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالتَّكْبِيرِ, فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَمَا يُصَلِّي فِي الْعِيدَيْنِ»

ابن عباس کی روایت میں ہے (فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَمَا يُصَلِّي فِي الْعِيدَيْنِ)

خطبہ

حدیث عائشہ اور حضرت عبد اللہ بن زید کی حدیث میں ہے کہ آپ نے نماز سے پہلے خطبہ دیا اور حدیث ابو ہریرہ میں ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد خطبہ دیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جمعہ میں خطبہ نماز سے پہلے ہو تا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ عیدین میں خطبہ نماز کے بعد ہو تا ہے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ ہم دیکھیں کہ خطبہ استسقاء دونوں خطبوں میں سے کس کے مشابہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خطبہ جمعہ فرض ہے اور وہ نماز جمعہ سے ملا ہوا ہے کہ نماز جمعہ خطبہ کے بغیر کفایت نہیں کرتی۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ خطبہ عیدین ایسے نہیں ہے کیونکہ نماز عیدین خطبہ کے بغیر کفایت کر جاتی ہے اگرچہ خطبہ نہ دیا جائے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ نماز استسقاء بغیر خطبے کے کفایت کر جاتی ہے تو پتہ چلا کہ نماز استسقاء نماز عید کے مشابہ ہے اس کا خطبہ بھی عیدین کے خطبے کے مشابہ ہو گا لہٰذا پتہ چلا کہ خطبہ نماز استسقاء کے بعد ہو گا۔

نماز استسقاء میں قرات

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک روایت مروی ہے جس میں یہ ہے (صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَنَحْنُ خَلْفَهُ فَجَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ) آپ علیہ السلام نے دو رکعت پڑھائیں اور ہم آپ کے پیچھے تھے آپ نے ان میں جہراً قراءت کی۔

حَدَّثَنَا فَهْدٌ، قَالَ: ثنا أَبُو غَسَّانَ، قَالَ: ثنا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: ثنا أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ: " خَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ يَسْتَسْقِي, وَكَانَ قَدْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَخَرَجَ فِيمَنْ كَانَ مَعَهُ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ, وَزَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ, قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ وَأَنَا مَعَهُ يَوْمَئِذٍ فَقَامَ قَائِمًا عَلَى رَاحِلَتِهِ عَلَى غَيْرِ مِنْبَرٍ وَاسْتَسْقَى وَاسْتَغْفَرَ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَنَحْنُ خَلْفَهُ فَجَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَلَمْ يُؤَذِّنْ يَوْمَئِذٍ وَلَمْ يُقِمْ "

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں جہرا قرات کرنا دلالت کرتا ہے کہ یہ نماز نماز عید کی طرح ہے جو دن میں خاص وقت میں ادا کی جاتی ہے تو اس کا حکم جہر ہے اور نماز جمعہ بھی ایسے ہی دن کی نماز ہے اور خاص وقت میں ادا کی جاتی ہے تو اس کا حکم جہر رہے تو اس کے ذریعہ ثابت ہوا کہ جو نماز دن کو ادا کی جاتی ہیں اور کسی عارضے کی وجہ سے کسی خاص دن میں ادا کی جاتی ہیں تو اس کا حکم جہر ہے اور ہر وہ نماز جو باقی عام دنوں میں دن کے وقت ادا کی جاتی ہے اور کسی عارضہ کی وجہ سے یا کسی خاص دن میں نہیں ہوتی ہے اس کا حکم سر ہے۔ اس پر قیاس یہ ہے کہ صلاۃ استسقاء چونکہ روزانہ نہیں پڑھی جاتی ہے لہذا اس کو دن میں پڑھنے کے باوجود اس میں قرات بالجہر ہو گی۔

بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ كَيْفَ هِيَ؟

امام مالک، امام شافعی، امام احمد

ان کے نزدیک نماز کسوف کی دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے ہوں گے یعنی ایک رکعت میں دو رکوع ہوں گے۔

دلیل

حدیث عائشہ: جس میں نماز کسوف کی کیفیت بیان کی گئی اس میں ایک رکعت میں دو رکوع کا ذکر ہے۔

مذہب ثانی

ہر رکعت میں چار رکوع ہیں۔

دلیل

حدیث عبد اللہ بن عباس: جس میں ایک رکعت میں چار رکوع کرنے کا ذکر ہے۔

مذہب ثالث

طاؤس بن کیسان، حبیب بن ابو لیث: ان کے نزدیک ہر رکعت میں تین رکوع ہیں۔

دلیل

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو تین رکوع اور سجدے کیے نماز کسوف میں۔ (ابن عباس کا بھی یہی عمل تھا۔)

مذہب رابع

سعید بن جبیر، اسحاق بن راہویہ، محمد بن جریر طبری: یہ کہتے ہیں اس میں کچھ مقرر نہیں بلکہ وہ سورج کے کھلنے تک رکوع و سجود کرتا رہے گا نماز پڑھتا رہے گا۔

دلیل

انہوں نے آپ علیہ سلام کے قول سے دلیل پکڑی (فَصَلُّوا حَتَّى يَنْجَلِيَ)

ایک روایت میں ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا (لَوْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فِي الرَّكْعَةِ الرَّابِعَةِ, لَرَكَعَ وَسَجَدَ)

مذہب خامس

احناف، ابراہیم نخعی ان کے نزدیک نماز کسوف دو رکعتیں ہیں باقیہ نوافل کی طرح اگر چاہے تو لمبا کریا اگر چاہے تو چھوٹا کر۔ پھر اس کے بعد سورج کے ظاہر ہونے تک دعا و استغفار میں مشغول رہے۔

دلیل

عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے زمانہ نبوی میں سورج کو گہن لگ گیا پس آپ علیہ السلام نے لوگوں کے ساتھ قیام کیا تو قریب نہ تھا کہ آپ رکوع کرتے پھر آپ نے رکوع کی یا پھر قریب نہ تھا کہ آپ سر اٹھاتے تو پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا تو قریب تھا کہ آپ سجدہ کرتے پھر آپ نے سجدہ کیا تو قریب نہ تھا کہ آپ سر اٹھاتے اور دوسرے میں بھی ایسا ہی کیا پھر سر اٹھایا اور سورج کھل چکا تھا۔

نظر طحاوی

قیاس بھی یہی ہے کیوں کہ بقیہ فرائض اور نوافل کی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہوتے ہیں تو یہ نماز بھی ایسے ہی ہو گی۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ كَيْفَ هِيَ؟

امام اعظم، امام مالک، امام شافعی

نماز کسوف میں قرات جہرا نہیں ہو گی کیونکہ یہ دن کی نماز ہے۔

دلیل

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ علیہ سلام سے نماز کسوف میں کوئی حرف نہ سنا۔

سمرہ بن جندب سے بھی ایسی روایات مروی ہے۔

امام احمد، امام ابو یوسف، امام محمد

ان کے نزدیک نماز کسوف میں جہرا قرات کی جائے گی۔

دلیل

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز میں جہرا قراءت کی

مذہب اول کی دلیل کا جواب

ممکن ہے کہ ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ علیہ السلام سے آواز نہ سنی ہو سکتا ہے کہ وہ آپ سے دور ہوں۔

نظر طحاوی

جو نماز ادا کی جاتی ہے دن کے وقت خواہ وہ فرض ہو جیسے ظہر اور عصر یا غیر فرض جیسے ان کی سنتیں وغیرہ ان میں قرات جہرا نہیں بلکہ سرا ہو گی اور جو نمازیں روزانہ نہیں بلکہ خاص دن خاص وقت میں ادا کی جاتی ہے خواہ فرض ہو جیسے جمعہ یا غیر فرض جیسے عیدین تو ان میں قرات جہرا کی جائے گی اور نماز کسوف خاص دن خاص وقت کسی عارضہ کی وجہ سے ادا کی جاتی ہے تو اس کا حکم بھی یہی ہو گا یعنی اس میں قرات جہرا ہو گی۔

بَابُ التَّطَوُّعِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ كَيْفَ هُوَ؟

امام مالک، امام شافعی، امام احمد

ان کے نزدیک دن اور رات کی نماز دو دو رکعت کرکے ادا کی جائیں گی۔

دلیل

حضرت ابن عمر سے روایت ہے اور یہ حدیث کو مرفوعاً بیان کرتے ہیں فرمایا (صَلاۃُ اللَّیلِ وَ النَّھَارِ مَثْنٰی مَثْنٰی) دن اور رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔

احناف، امام اوزاعی، سفیان ثوری

ان کے نزدیک دن کی نماز اگر تو چاہے تو ایک تکبیر کے ساتھ دو رکعت ادا کر اور ہر دو رکعتوں پر سلام پھیر دے۔ اور اگر چاہے تو چار رکعتیں پڑھ ایک تکبیر کے ساتھ اس پر زیادہ کرنا مکروہ ہے۔

امام اعظم اور سفیان ثوری کے نزدیک اختیار ہے کہ ایک تکبیر کے ساتھ رات میں دو رکعتیں پڑھے یا چار پڑھے یا آٹھ پڑھے اس پر زیادتی مکروہ ہیں۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں اور وہ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرے گا۔

مذہب اول کی دلیل کا جواب

حدیث ابن عمر کو علی بارقی کے علاوہ جس نے بھی روایت کیا اس نے اس نماز سے خاص رات کے نماز مراد لی ہے نہ کہ دن کی نماز اور ابن عمر کا اپنا فعل بھی اس کے مخالف ہے۔

دن کی نماز کے متعلق احناف کی دلیل

1: نافع سے روایت ہے وہ ابن عمر کے متعلق روایت بیان کرتے ہیں کہ وہ رات کو دو رکعت اور دن کو چار رکعت ادا کرتے تھے۔

2: ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا

(ظہر سے پہلے چار رکعتیں جن میں سلام نہ پھیرا جائے ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں)

رات کی نماز کے متعلق دلائل

جو آٹھ رکعت نماز ادا کرنے کے قائل ہیں وہ دلیل پکڑتے ہیں اس حدیث سے جس میں ہے کہ (آپ علیہ السلام رات کو گیارہ رکعات ادا کرتے ان میں سے تین رکعت وتر ہوتی) تو یہ آٹھ نوافل بچے۔

اور جو دو رکعتوں کے قائل ہیں ان کا آٹھ رکعت کے قائل کو جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ سلام رات کی نماز میں سے ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے تھے. اس باب کا حکم آپ علیہ السلام کے حکم اور آپ کے اتباع سے اور آپ کے صحابہ کے فعل سے لیا جائے گا اور ان میں سے ہم نہ تو کسی کا فعل ایسا پاتے ہیں نہ قول کہ جو رات میں ایک تکبیر کے ساتھ دو سے زائد رکعت پڑھنے کو مباح کرتا ہو۔ امام طحاوی کا بھی یہی موقف ہے۔

بَابُ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ كَيْفَ هُوَ؟

امام اعظم، امام محمد، امام احمد کی ایک روایت

ان کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعت سنت ہے ان کے اندر سلام نہیں پھیرا جائے گا۔

دلیل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو جمعہ کے بعد تم میں سے نماز پڑھے تو چار رکعت نماز پڑھے۔"

امام مالک، امام احمد کی ایک روایت

جمعہ کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں جیسا کہ ظہر کے بعد دو رکعت ہوتی ہے۔

دلیل

حضرت ابن عمر سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام جمعہ کے بعد دو رکعات گھر میں ہی ادا کرتے۔ ابن عمر نے ایک شخص کو جمعہ کے بعد دو رکعت ادا کرتے دیکھا اسے منع کیا اور کہا کیا تو چار رکعتیں جمعہ پڑھتا ہے؟

امام شافعی، امام ابویوسف، مجاہد

جمعہ کے بعد چھ رکعت ہیں چار ایک سلام کے ساتھ پھر اس کے بعد دو ایک سلام کے ساتھ۔

یہ کہتے ہیں جو ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے جو روایت کیا ہے اس میں احتمال یہ ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کا قول ہو اور جو ابن عمر نے روایت کیا ہے وہ آپ علیہ سلام کا فعل ہو جو کہ آپ علیہ السلام نے اپنے پہلے والے قول پر زیادہ کیا۔

1: عطا سے روایت ہے فرمایا میں نے ابن عمر کے ساتھ جمعہ کے دن نماز ادا کی آپ نے سلام پھیرا تو کھڑے ہوئے اور پھر دو رکعت ادا کی پھر کھڑے ہوئے تو چار رکعت ادا کی پھر واپس ہوئے۔

تو ابن عمر نے ایسا تب ہی کیا جب ان کے نزدیک آپ علیہ السلام کا قول بھی ثابت ہو گا اور آپ کا فعل بھی جیسا کہ ہم نے ذکر

کیا۔

2: حضرت علی سے روایت ہے فرمایا جو جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو چھ رکعت نماز پڑھے۔

کلام طحاوی

امام ابو یوسف کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ پہلے چار رکعتیں پڑھے ہے پھر دو پڑھے کیونکہ جمعہ کے بعد اسی کی مثال دو رکعت ادا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

خرشہ بن حر سے روایت ہے کہ ابن عمر جمعہ کے بعد اسی کے مثل نماز ادا کرنے کو ناپسند کرتے۔

اسی وجہ سے دو رکعت پہلے ادا کرنا مکروہ ہے۔

فہرست ابواب

باب الأذان	2
باب الاقامة	5
باب: الصلاة خير من النوم	7
باب: التأذين للفجر, أي وقت هو؟ بعد طلوع الفجر, أو قبل ذلک؟	8
باب: الرجلين يؤذن احدهما ويقيم الآخر	11
باب: مايستحب للرجل ان يقوله اذا سمع المؤذن	13
باب: مواقيت الصلاة	15
بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ صَلَاتَيْنِ, كَيْفَ هُوَ؟	24
بَابُ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى أَيُّ الصَّلَوَاتِ؟	26
بَابُ الْوَقْتِ الَّذِي يُصَلَّى فِيهِ الْفَجْرُ أَيُّ وَقْتٍ هُوَ؟	32
بَابُ الْوَقْتِ الَّذِي يُسْتَحَبُّ أَنْ يُصَلَّى صَلَاةُ الظُّهْرِ فِيهِ	37
بَابُ صَلَاةِ الْعَصْرِ هَلْ تُعَجَّلُ أَوْ تُؤَخَّرُ؟	40
بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ إِلَى أَيْنَ يَبْلُغُ بِهِمَا؟	43
بَابُ مَا يُقَالُ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ تَكْبِيرَةِ الِافْتِتَاحِ	45
بَابُ قِرَاءَةِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي الصَّلَاةِ	46
بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ	51
بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ	54
بَابُ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ	57
بَابُ الْخَفْضِ فِي الصَّلَاةِ هَلْ فِيهِ تَكْبِيرٌ؟	60
بَابُ التَّكْبِيرِ لِلرُّكُوعِ وَالتَّكْبِيرِ لِلسُّجُودِ وَالرَّفْعِ مِنَ الرُّكُوعِ هَلْ مَعَ ذَلِکَ رَفْعٌ أَمْ لَا؟	62

بَابُ التَّطْبِيقِ فِي الرُّكُوعِ	66
بَابُ مِقْدَارِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ الَّذِي لَا يُجْزِئُ أَقَلُّ مِنْهُ	68
بَابُ مَا يَنْبَغِي أَنْ يُقَالَ: فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ	69
بَابُ الْإِمَامُ يَقُولُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ هَلْ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَقُولَ بَعْدَهَا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ أَمْ لَا؟	72
بَابُ الْقُنُوتِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَغَيْرِهَا	74
بَابُ مَا يُبْدَأُ بِوَضْعِهِ فِي السُّجُودِ, الْيَدَيْنِ أَوِ الرُّكْبَتَيْنِ؟	79
بَابُ وَضْعُ الْيَدَيْنِ فِي السُّجُودِ, أَيْنَ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ؟	81
بَابُ صِفَةُ الْجُلُوسِ فِي الصَّلَاةِ, كَيْفَ هُوَ؟	82
بَابُ التَّشَهُّدُ فِي الصَّلَاةِ, كَيْفَ هُوَ؟	86
بَابُ السَّلَامُ فِي الصَّلَاةِ, كَيْفَ هُوَ؟	89
بَابُ السَّلَامِ فِي الصَّلَاةِ, هَلْ هُوَ مِنْ فُرُوضِهَا أَوْ مِنْ سُنَنِهَا؟	92
بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ	98
بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ	101
بَابُ الرَّجُلُ يُصَلِّي بِالرَّجُلَيْنِ، أَيْنَ يُقِيمُهُمَا؟	104
بَابُ الرَّجُلِ يَكُونُ فِي الْحَرْبِ فَتَحْضُرُهُ الصَّلَاةُ وَهُوَ رَاكِبٌ هَلْ يُصَلِّي أَمْ لَا؟	106
بَابُ الِاسْتِسْقَاءِ كَيْفَ هُوَ, وَهَلْ فِيهِ صَلَاةٌ أَمْ لَا؟	108
بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ كَيْفَ هِيَ؟	111
بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ كَيْفَ هِيَ؟	113
بَابُ التَّطَوُّعِ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ كَيْفَ هُوَ؟	114
بَابُ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ كَيْفَ هُوَ؟	116